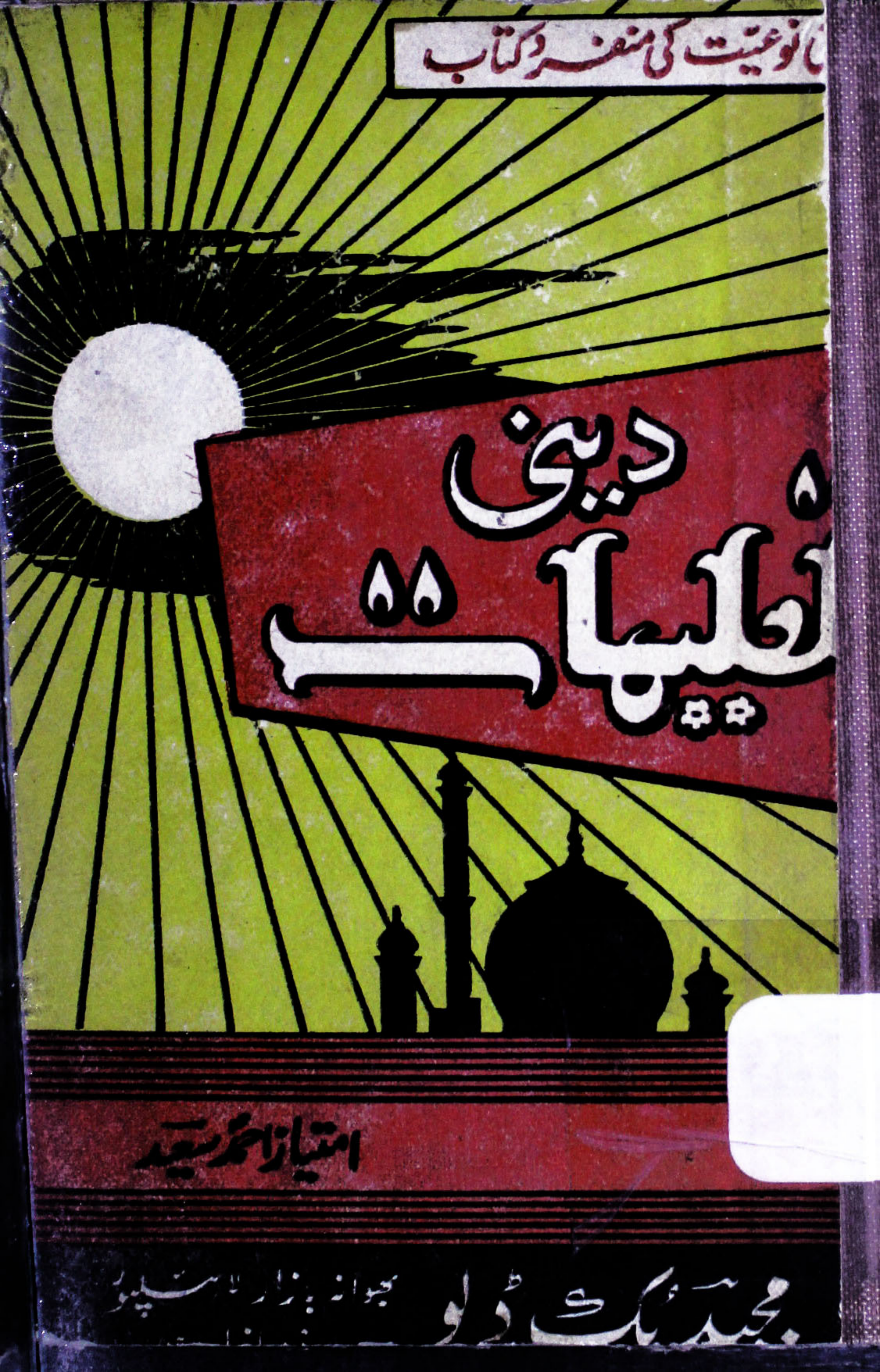


ان نوعیت کی منفرد کتاب

دیہی نمایاں



انتیاز احمد سعید

مجموعہ کلاں بیوانہ بیوانہ لاہور

D

DATA ENTERED

ذہنی تعلیمات

حصہ اول

برائے

طلبہ انٹرمیڈیٹ سال اول

از

امتیاز احمد سعید، ایم اے (علوم اسلامیہ) ایم اے (عربی) جے ڈی پی ای اے

شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج لاہور

دیپارٹمنٹ ٹائم پیکر، شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ہیڈ آفس مجوانہ بازار لاہور
ہر ایچ۔ اردو پائزر لاہور

پبلسٹک ڈپوٹ

۲۹۷۶۰۷

جمہ حقوق محفوظ

سن ۱۳۷۵

۲۹۷۶۰۷

DATA ENTERED

ادل

ایک ہزار

طبع

تعداد

بھوانہ بازار لاٹل پور
بھید آفس

ناشر: افتخار احمد مجید پٹو

بیراچ : اردو بازار لاہور

انتیاز احمد سعید: ایم اے و بلاک اسٹوڈیو

مصنف

ایم اے دسری، جے ڈی، پی ای ایس

پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور

مطبع

۲۵ / ۳ روپے

قیمت

تعارف

پیر صفیر کے تمام تعلیمی اداروں میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے کالجوں اور سکولوں کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہاں ابتدا ہی سے "دینی تعلیم" کا باقاعدہ انتظام رہا ہے۔ ان اداروں میں وینیات کا لازمی مضمون اس وقت بھی پڑھایا جاتا تھا جبکہ بیان انگریزی کی حکمرانی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد بھی جبکہ اسلام آباد کا مضمون ابھی اس ملک میں شروع نہیں ہوا تھا۔ انجمن کے تعلیمی اداروں میں یہ باقاعدہ رائج تھا۔ اور اب بھی دینی تعلیمات کا لازمی مضمون بدستور چلا آتا ہے۔

خوش قسمتی سے میری تعلیم و تربیت بھی انجمن کی ان درسگاہوں کی شرفیوں سے ہوئی ہے اور اس مضمون سے خاص لگاؤ ہونے کی بنا پر مجھے یہ خیال ہوا کہ اس کے لیے کتاب مرتب کروں۔ چنانچہ زیر نظر کتاب اسی فکر کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب کوئی بڑی علمی کاوش نہیں بلکہ محض طلبہ کی سہولت کے لیے معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔

امید ہے اساتذہ کرام اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور عزیز طلبہ بھی اس سے استفادہ کریں گے۔ رب العزت سے شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین !

پروفیسر احمد سعید

۱۴ اگست ۱۹۷۱ء

نصاب

دینی تعلیمات

برائے

طلبہ انٹر میڈیٹ

(ا) ایمان اور کفر، ارکان اسلام

اخلاق و آداب -

(ب) حقوق و فرائض

(ج) والدین اور اولاد

(د) رشتہ دار

(ه) ہمسایہ

(و) استاد و شاگرد

(ز) شہری

(ح) پارہ علم ربیع آخر (ترجمہ و تشریح)

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
۴۰	تخیل	۱۳	باب اول در ایمان و کفر	
۴۵	عقل	۱۵	ایمان	۱
۶۰	عقل	۱۶	کفر	۲
۶۴	احسان	۱۷	باب دوم در ارکان اسلام	
۷۷	خدمت خلق	۱۸	ارکان اسلام کا مفہوم و اہمیت	۳
۸۱	باب چہارم در آداب	۱۹	شہادت توحید و رسالت	۴
۸۲	آداب اسلامی کا مفہوم و اہمیت	۱۹	نماز	۵
۸۳	آداب ملاقات	۲۰	روزہ	۶
۸۸	آداب گفتگو	۲۱	زکوٰۃ	۷
۹۳	آداب شرب و طعام	۲۲	حج	۸
۹۹	آداب لباس	۲۳	باب سوم در اخلاق	
۱۰۸	آداب مجلس	۲۴	اخلاق اسلامی کا مفہوم و اہمیت و خصوصیات	۹
۱۱۳	باب پنجم در حقوق و ذرائع	۲۴	تقویٰ	۱۰
۱۲	حقوق و ذرائع کا مفہوم و اہمیت	۲۵	صدق	۱۱
۱۴	حقوق العباد کی اہمیت	۲۶	امانت	۱۲
۲	والدین	۲۶	عبر	۱۳

ردیف	مضامین	صفحه	مضامین	ردیف
۱۹۴	سورة العنقر	۳۹	اولاد	۲۷
۱۹۵	سورة الهنزه	۴۰	رشته دار	۲۸
۱۹۶	سورة العنق	۴۱	همسایه	۲۹
۲۰۰	سورة قریش	۴۲	اتاز و شاگرد	۳۰
۲۰۲	سورة الطائفون	۴۳	شهری	۳۱
۲۰۵	سورة الكوثر	۴۷	باب ششم و القرآن	
۲۰۶	سورة الكافرون	۴۵	تعارف قرآن	۳۲
۲۰۹	سورة النهر	۴۶	سورة القدر	۳۳
۲۱۲	سورة الذهب	۴۷	سورة النبیه	۳۴
۲۱۵	سورة الانعام	۴۸	سورة الزلزل	۳۵
۲۱۷	سورة الفلق	۴۹	سورة النبایات	۳۶
۲۱۹	سورة الناس	۵۰	سورة القارعة	۳۷
۲۲۲	امتنانی سوالات	۵۱	سورة التكاثر	۳۸

باب

ایمان

کتاب

ایمان

مفہوم ایمان کے لغوی معنی جاننا، ماننا، تصدیق کرنا اور یقین کرنا ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایمان سے مراد خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے بتائے ہوئے اصولوں کو ماننا ہے۔ ایمان کا تعلق صرف زبان سے نہیں بلکہ دل سے بھی ہے قول کے ساتھ فعل بھی اسی کے مطابق ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایمان کی تعریف یہ ہے: **اقرار باللسان و تصدیق بالقلب**، (زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اسکی تصدیق کرنا)۔

جزائے ایمان قرآن و احادیث میں ایمان کے پانچ اجزاء بیان ہوئے ہیں جنہیں عقائد اسلام، اصول خمسہ، اور اصول دین، بھی کہتے ہیں۔ ان

پانچ اجزائے ایمان کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے تفصیل یہ ہے۔

(۱) **التدبر ایمان** :- یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود تسلیم کرنا اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا۔

(۲) **فرضتوں پر ایمان** :- یعنی اس نوری مخلوق کو تسلیم کرنا جو اللہ کے حکم سے نظام کائنات میں اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔

(۳) **رسولوں پر ایمان** :- یعنی اللہ کے ان پیغمبروں کو ماننا جو اللہ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہبری کیلئے وقتاً فوقتاً بھیجے اور ان سب کے آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

(۴) **کتابوں پر ایمان** :- یعنی ان الہامی کتابوں کو ماننا جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اپنے رسولوں پر نازل کیں اور ان سب میں آخری مکمل اور محفوظ

کتاب قرآن حکیم ہے جسے حضور پر نازل کیا گیا۔
 (ہا یوم آخرت پر ایمان :- یعنی اس دن کو تسلیم کرنا جس روز یہ سب دنیا فنا ہو جائے گی۔ ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال دیا جائیگا اور اسی کے مطابق اسے جزا و سزا ملے گی۔

اہمیت ایمان انسان کے تمام اعمال کی اساس اور بنیاد ہے اور ہماری سبیرانی کا اصل سرچشمہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کا دار و مدار نیتوں پر رکھا ہے۔ گو یا کوئی بھی عمل خواہ بظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کرنے والے کی نیت درست نہ ہو۔

نیک نیتی کو دوسرے لفظوں میں ایمان کہا جاسکتا ہے اور جس شخص میں ایمان نہیں اس کے اعمال روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز ادا کرتا ہے تو اس کو ہرگز کوئی ثواب و اجر نہیں ملے گا۔ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو اپنی نمازوں میں دکھاوا کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص زکوٰۃ صرف اس لیے دیتا ہے کہ اسے شہرت حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس کا تمام صدقہ ضائع جائے گا۔

قرآن پاک نے اسی لیے ایمان کو اعمال کا دیباچہ قرار دیا ہے اور ایمان کا ذکر ہمیشہ عمل صالح کے ذکر سے پہلے لازمی طور پر کیا ہے کیونکہ ایمان کے نہ ہونے سے دل کی نیک نیتی کا بھی عدم ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علم و عمل، تصور و فعل اور ایمان و اعمال کو ایک دوسرے کا نتیجہ اور باہم ناکرز قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے بغیر عمل صالح وجود میں ہی نہیں آسکتا۔

قرآن حکیم میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کو اس کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہ کسی اور بات کا اتنا ذکر نہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر یقین رکھے گا وہ نیک نیت اور عمل کا کھرا ہوگا۔ وہ ہر وقت اللہ کی رضا چاہے گا۔

اور اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس رکھنے کا لہذا زیادہ اچھے اعمال کرنے کا فریضہ ہے۔
 پر ایمان لانے سے کفر و شرک کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ رسولوں اور انبیا کی کتابوں پر
 ایمان ایک عالمگیر برادری کا تصور پیدا کرتا ہے۔ اس طرح جو شخص اسلام کے ان عقائد
 پر ایمان رکھتا ہے اس کی زندگی اعمال صالح سے مالا مال ہو جاتی ہے۔

ایمان صرف اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالح کا ہی پیش خیمہ نہیں بلکہ اس سے انسان
 میں وہ قوت بھی پیدا ہوتی ہے کہ وہ دنیاوی اسباب و وسائل کو بہترین طریقے پر
 استعمال میں لائے اور دنیاوی ترقی حاصل کرے۔ اسلامی نظام میں ایمان کی حیثیت
 صرف ایک مذہبی عقیدے کی نہیں بلکہ اس پر افراد کے اخلاق و کردار کی عمدگی، معاملات
 کی درستی، تہذیب و تمدن کی ترقی اور معاشرت و سیاست کے استحقاق کا بھی انحصار
 ہے۔ مختصر یہ کہ ایمان کا عدم، اسلام کا عدم ہے۔ ایمان کا ضعف اسلام کا ضعف ہے۔
 اور ایمان کی قوت اسلام کی قوت ہے۔

ایمان کی خصوصیات [دین اسلام میں جس ایمان کا مقتضی ہے اس کی
 خصوصیات یہ ہیں۔]

۱۔ ایمان و اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصلہ ہے۔ ایمان لانے والا دائرہ اسلام
 میں داخل ہے اور ایمان نہ لانے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔
 ۲۔ ایمان عمل کی جڑ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں صرف وہی عمل قدر و قیمت اور وزن
 رکھتا ہے جس کی بنیاد ایمان پر ہو اور جہاں پر بنیاد نہ ہو وہاں تمام اعمال بے
 معنی ہوتے ہیں۔

۳۔ ایمان نظام اسلام کا سنگِ بنیاد ہے اور اسلامی نظام کی عمارت اسی پر قائم
 کی گئی ہے۔ اس لیے اسلام کے ضعف و استحقاق کا انحصار ایمان کی کمزوری و
 مضبوطی پر ہے۔

۲۰ کفر

مشہور کفر کے لغوی معنی چھپانا ڈھانپنا اور انکار کرنا ہے۔ اصطلاح شریعت میں کفر سے مراد یہ ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے اسلام پیش کیا جائے تو وہ

جاننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے یا ماننے سے انکار کر دے یہ اسلام اور ایمان کی ضد ہے۔

کفر کی حقیقت کفر سب سے بڑی جہالت ہے جو انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے اور وہ اصل حقائق کو نہیں پہچان سکتا۔ کافر بھی اللہ

کی مخلوق ہے۔ اللہ نے اسے پیدا کیا زندگی کی سب نعمتیں عطا کیں اور ہر طرح کے احسانات کئے لیکن وہ اللہ کا انکار کر کے سب سے بڑی ناشکری کا اظہار کرتا ہے۔

وہ پھر بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ خود اپنے آپ پر ہی ظلم کرتا ہے۔ اس کے اچھے کاموں کا بھی آخرت میں کوئی اجر نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ اس کا انجام جہنم کا عذاب ہوگا۔

کفر کی صورتیں کفر کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے (۱) مشرک

(۱) **مشرک** - مشرک کے معنی شریک کرنا ہے۔ اصطلاح میں اسی سے مراد اللہ تعالیٰ

کی ذات و صفات اور احکام میں کسی دوسرے کو شامل کرنا ہے، بت پرستی، منطاد پرستی، آتش پرستی وغیرہ سب اسی ضمن میں آتے ہیں۔ مشرک اللہ کا باغی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہرگز نہیں بخشنے گا اور جہنم کا مستقل عذاب اس کی سزا ہے۔

(۲) **نفاق** - نفاق دو رخ اور دل کی کھوٹ کو کہتے ہیں یعنی جس کے ظاہر و باطن میں

فرق ہو یا قول و فعل میں مطابقت نہ ہو بلکہ مسلمانوں کو دھوکا دینے، اسلام کو نقصان
 پہنچانے یا دنیاوی جاہ و منصب کے لیے بظاہر کلمہ پڑھتا ہوا اور دل سے خدا اور رسول
 پر یقین نہ رکھتا ہو منافق ہے۔ منافق کی جزا آخرت میں "درزناک عذاب" ہے۔

ارکان اسلام

- * شہادت توحید و رسالت
- * نماز
- * روزہ
- * زکوٰۃ
- * حج

ارکان اسلام

ارکان جمع ہے "رکن" کی جس کے معنی ہیں ستون یا قلم۔ ارکان اسلام وہ ستون ہیں جن پر اسلامی زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، جو یہ ہیں: (۱) شہادت توحید و رسالت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ اور (۵) حج۔

اسلام دراصل ایمان اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ عقائد اسلام پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی عملاً اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی چیز پر ایمان لانے کے بعد اس پر عمل پیرا ہونا دراصل اس کا پایہ تکمیل ہے۔ بلکہ ایمان اور عمل کا اتنا گہرا ربط ہے کہ انہیں ایک دو ٹکڑے سے جدا کرنا اسی طرح محال ہے جس طرح شعلے سے روشنی کو۔ ایمان کا ظاہری ثبوت بھی اعمال ہی سے مل سکتا ہے۔ اعمال کی واضح صورت وہ عبادات ہیں جنہیں ارکان اسلام کہا جاتا ہے۔

ارکان اسلام، دین اسلام کے عظیم الشان محل کے لیے ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے

اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس

کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا

اور زکوٰۃ دینا اور بیت اللہ کا حج کرنا اور

رمضان کے روزے رکھنا

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ

كَانَ إِلَهُهُ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ

وَرَسُولُهُ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى

الزَّكَاةَ وَحَجَّ الْبَيْتِ وَصَوْمَ رَمَضَانَ

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو ایک عمارت یا محل سے

تشبیہ دے کر ارکان اسلام کی اہمیت کو یوں واضح کیا ہے کہ جس طرح ایک عمارت کی

پختگی و مضبوطی، استواری و پائیداری اور قیام و بقا کا انحصار اس کی دیواروں اور ستونوں پر ہوتا ہے بعینہ اسلام کا سارا نظام زندگی بھی ان پانچ بنیادی ارکان پر قائم ہے۔ اگر کسی عمارت کی دیواروں یا ستونوں میں سے ایک گر جائے یا کمزور ہو جائے تو عمارت کے اس حصے کے گرنے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ گویا کسی عمارت کی پختگی اور پائیداری کا انحصار اس کے ستونوں کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی تقدیر کا دار و مدار انہی ارکان اسلام پر ہے۔

اسلام کی عمارت کے ان ستونوں کو مضبوط و پختہ رکھنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ ان سے بنیاد اور بے رُخ ہو کر انسان اسلام کے دیگر احکام و اعمال کو عملی جامہ پہنانے میں بھی نہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسلامی زندگی کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی تمام پہلوؤں کا انحصار انہی ارکان اسلام پر ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ ایک مسلمان سب سے پہلے انہی کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش کرے۔

ارشادِ شہادت توحید و رسالت

مفہوم اسلام کا پہلا اور اہم ترین رکن شہادت توحید و رسالت ہے۔ جس کے معنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زبان اور دل سے اقرار کرنا ہے۔ ایسے کلمہ طیبہ، اَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں) اور کلمہ شہادت، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں) بھی کہتے ہیں۔

حقیقت | "شہادت توحید و رسالت" بظاہر بہت آسان بات ہے کہ ذرا سی زبان

بلا کر ادا کر دیا مگر فی الحقیقت یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری کی قبولیت کا اعتراف اور اس کا عملی اظہار ہے۔ شہادت یا گواہی ایک عملی چیز ہے جو کسی بات کے جتانے یا منانے کو دی جاتی ہے۔ اسی لیے شہادت توحید و رسالت کا اقرار اس بات کی دلیل ہے کہ بڑھنے والا عملاً اپنا تین من دولت ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہے۔ اسی بنا پر "شہادت توحید و رسالت" کو ارکان اسلام میں رکھا گیا ہے۔

کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت میں دو باتوں کی گواہی ہے ایک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور بلائیت اور دوسرے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت۔ پانچ اجزائے ایمان میں سے فقط ان دو کی عملی شہادت کے لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں آخری مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لیکن اللہ کی پہچان چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہوئی لہذا حضور کی رسالت کی گواہی بھی توحید باری تعالیٰ کے ہمراہ لازم ٹھہری۔

اہمیت | شہادت توحید و رسالت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسے ارکان اسلام میں سب سے اول رکھا گیا ہے اور اسے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ "شہادت توحید و رسالت" اسلام کا اولین بنیادی اور مرکزی رکن ہے اور اسلام کے جملہ عقائد و اعمال کو حاوی ہے۔ ذرا غور کیجئے اگر کوئی شخص سرے سے خدا اور رسول کو ہی تسلیم نہ کرتا ہو یا محض زبان سے اقرار کرتا ہو اور عملاً اطاعت نہ بجالاتا ہو تو پھر اس کے باقی اعمال کی حیثیت کیا ہوگی؟ یقیناً اس کی نیکیاں بے حقیقت ہو کر رہ جائیں گی آخرت میں اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔

شہادت توحید و رسالت ایمان اور کفر کے درمیان ایک ایسی حد فاضل ہے کہ

اس کا اقرار کرنے والا است مسلمہ کا رکن بن جاتا ہے اور اس کا منکرہ کافروں میں شمار ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی آدمی کلمہ شہدے اور بتوں کا منکر ہو جائے تو اس کی جان اور مال دوسرے مسلمانوں پر حرام ہو جاتی ہے اس کے اعمال کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ یہ حکم اس حد تک ہے کہ اگر میدان جنگ میں بھی دشمن کلمہ کا اقرار کرے تو وہ مسلمان منصوص ہوگا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے حضور سے دریافت کیا کہ اگر کوئی کافر دوران جنگ میرا ہاتھ کاٹ کر رخت کی اڑٹ میں آکر یہ کہدے کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے تو کیا میں اسے پھر قتل کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں صحابی نے عرض کیا اس کافر نے کلمہ پڑھنے سے پہلے میرا ہاتھ کاٹا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے قتل مت کر اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ درجہ ایسے مل جائیگا جس میں تم اسے قتل سے پہلے تھے اور اس کا درجہ تمہیں ملے گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شہادت توحید و رسالت کا اقرار انسانی زندگی میں کیا تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس شخص نے توحید و رسالت کا اقرار کر کے دل سے اس کی تصدیق و تائید کی اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوا وہ جنت کا حق دار ہوگا۔

۳۔ نماز

مفہوم نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ قرآن پاک میں نماز کے لیے لفظ "وَصَلَاةٌ" وارد ہوا ہے جس کے معنی دعا اور بندگی کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں "دعا" سے مراد وہ بدنی عبادت ہے جو ہر عاقل و بالغ مسلمان پر اللہ تعالیٰ کیلئے دن میں پانچ مرتبہ لازم آتی ہے۔ نماز بجالانے کے لیے قرآن پاک میں لفظ "اتمامت" استعمال ہوا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ نماز کو تمام ارکان و بندوں کے ساتھ صحیح

وقت پر صحیح طور سے ادا کیا جائے۔

اہمیت نماز اسلام کا اہم ترین فریضہ اور سب سے بڑی عبادت ہے۔ قرآن و احادیث میں جس قدر نماز کی تاکید آئی ہے کسی اور شے کی نہیں۔

نماز کی اہمیت و فضیلت کے مندرجہ ذیل پہلو ہیں۔

۱۔ نماز کا اہم کردار۔ نماز بے شمار انفرادی و اجتماعی ضروریات کی حامل ہے۔ نماز انسان کے ذہن میں اس بات کو تازہ رکھتی ہے کہ وہ دنیا میں خود مختار نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کا بندہ ہے اور اسی کے حکم کے مطابق اسے زندگی بسر کرنا ہے اس سے انسان شیطان کے ہلکانے سے بچا رہتا ہے اور سیدھی ماہ پر چل کر زندگی بسر کرتا ہے۔ نماز کا دوسرا کام یہ ہے کہ یہ انسان میں فرغش شناسی اور مستعدی پیدا کرتی ہے۔ بیماری، سفر اور جنگ ہر حالت میں نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔ اس سے انسان میں شیطانی قوتوں سے برسر پیکار رہتے ہوئے حدود اللہ کی حفاظت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نماز کا تیسرا اہم کام یہ ہے کہ وہ انسانی سیرت کو ایک خاص پنج پر تیار کرتی ہے اور روح کی تربیت اور کردار کی تعمیر کا موجب بنتی ہے۔ نماز کا ایک ایک فعل اور ایک ایک قول ایسا ہے کہ اس سے انسان کی سیرت خود بخود اسلام کے سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز انسان میں ضبط نفس کی قوت بھی پیدا کرتی ہے۔ نماز میں دعاؤں اور تسبیحوں کے ساتھ ادوات کی پابندی، طہارت کی شرائط اور جسمانی حرکات کا جوڑا اسی لیے ہے کہ انسان ضبط نفس کی تربیت حاصل کرے اور نفس کو رضائے الہی کے تابع کرے تاکہ قربت الہی حاصل ہو کر روح کی بالیدگی اور قلب کی پاکیزگی کا موجب بنے۔ ان انفرادی فوائد و ثمرات کے علاوہ نماز ہماری اجتماعی زندگی میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اور اجتماعی نظام کا پورا ڈھانچہ مرتب کرتی ہے۔ اس سے

اخوت، مساوات، اطاعت، امیر اور اتحاد کی اجتماعی تربیت حاصل ہوتی ہے اور یہ زندگی میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کرتی ہے۔

۲۔ قرآن پاک کی تاکید۔ قرآن پاک میں نماز کی جا بجا تاکید آئی ہے اور کم و بیش سات سو مقامات پر اس کا ذکر ہوا ہے۔ ایک جگہ مسلمانوں کو نماز کا اس طرح حکم دیا گیا ہے :-

وَأَذِّنُوا الصَّلَاةَ وَكُلُوا وَشَرِبُوا
 (المشرکین) (روم) (نہ یمن)

ایک دوسرے مقام پر یہ حکم دیا گیا ہے :-
 (صبر اور نماز سے استعانت حاصل کرو)

وَالْحَجَّ لِلَّهِ وَالصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ
 (المشرکین) (البقرہ)

ایک مقام پر نمازوں کی نگہداشت کا یوں حکم دیا گیا ہے :-
 (سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خالص کر دو میانی نماز کی اور اللہ کے سامنے آؤ سے کھڑے ہو جاؤ)

ایک جگہ نماز کی فرضیت کا یوں بیان ہوا ہے :-
 (بیشک نماز مسلمانوں پر اپنے منبرہ وقتوں پر فرض ہے)

ایک مقام پر نماز کی افادیت بیان کرتے ہوئے فرمایا :-
 (اور نماز قائم کر۔ بیشک نماز سب جہانوں اور برائیوں کی باتوں سے روکتی ہے)

۳۔ احادیث نبوی :- احادیث نبوی میں بھی نماز کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :- الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ (نماز دین کا ستون ہے)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ نماز آنکھوں کی طرف سے نہ ہو جیسی ہے کہ
مکھڑ اور ایمان کے درمیان حد فاصل صرف نماز ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے
کہ جس نے نماز کو عمدتاً ترک کیا وہ کافر ہو گیا۔

ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں
نے ایک بڑا جرم کیا ہے۔ آپ نے اسے باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا اور بعد
میں اس سے آپ نے فرمایا کہ نہ اللہ سے تیرے گناہ کو معاف فرما دیا ہے نہ ایک
جگہ نماز کی فضیلت کو ایک تمثیل کے ذریعے یوں بیان فرمایا کہ اگر کسی آدمی کے گھر کے
متصل نہر بہ رہی ہو اور وہ دن میں پانچ مرتبہ اس میں نہائے تو اس کے جسم پر کوئی
میل باقی نہ رہے گی۔ یہی کیفیت پانچ نمازوں کی ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ نماز
پنجگانہ سے گناہ اس طرح معاف ہو جاتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں درخت
کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ پانچوں نمازوں میں جمعہ سے جمعہ
تک، رمضان سے رمضان تک صغیرہ گناہوں کو محو کر دیتی ہیں جبکہ ان کے دوران
کبیرہ گناہ نہ کئے جائیں۔

نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ مختلف نمازوں
اور اوقات و رکعات نماز کے اوقات اور رکعتیں حسب ذیل ہیں:-

- (۱) نماز فجر:- اس نماز کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے اور اس
کی کل چار رکعتیں ہوتی ہیں پہلے دو سنتیں اور پھر دو فرض۔
- (۲) نماز ظہر:- یہ نماز دوپہر کو سورج ڈھلنے سے اس وقت پڑھی جاسکتی ہے جب
کسی چیز کا سایہ اس کے اپنے قدر سے دوگنا ہو جائے۔ اس کی کل بارہ رکعتیں ہوتی
ہیں۔ پہلے چار سنتیں، پھر چار فرض پھر دو سنتیں اور آخر میں دو نفل۔

(۳) نماز عصر :- یہ نماز سہ پہر کو ظہر کا وقت ختم ہونے سے اس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے جب سورج غروب ہونے سے پہلے اس کی سُرخی باقی ہو۔ اس کی کل آٹھ رکعتیں ہیں۔ پہلے چار سنتیں پھر چار فرض۔

(۴) نماز مغرب :- یہ نماز غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے اور اس میں کل سات رکعتیں ہیں۔ پہلے تین فرض پھر دو سنتیں اور آخر میں دو نفل۔

(۵) نماز عشاء :- یہ نماز غروب آفتاب کے بعد خوب اندھیرا چھا جانے سے صبح صادق سے پہلے تک ہے۔ اس کی کل سترہ رکعتیں ہیں۔ پہلے چار سنتیں پھر چار فرض۔ پھر دو سنتیں پھر دو نفل اس کے بعد تین وتر اور آخر میں دو نفل۔

شرائط نماز نماز سے قبل بعض باتوں کی تکمیل ضروری ہے۔ انہیں شرائط نماز کہتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) بدن کا پاک ہونا (۲) لباس کا پاک ہونا (۳) نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا
(۴) ستر ڈھانپنا (۵) نماز کا وقت ہونا (۶) قبلہ رخ ہونا۔

اگر بحالت مجبوری ان میں سے کوئی شرط پوری نہ کی جا سکے تو بھی نماز ادا کرے۔

تذکیب نماز اول وضو کرے پھر مسجد میں یا کسی پاک جگہ پر قبلہ رخ ہو کر نماز کی نیت کرے اور دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لوتھکے سے بجائے

اور تکبیر یعنی بالتذکرہ کبریاں پر اس طرح ہاتھ باندھ لے کہ دایاں اوپر ہو اور بائیں نیچے۔ اس کے بعد ثناء (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ... الخ) اور تعوذ (اعوذ باللہ...)

اور تسمیہ (بِسْمِ اللَّهِ...) پڑھے۔ پھر سورۃ فاتحہ (الْحَمْدُ...) کے بعد قرآن پاک کی کوئی دوسری سورۃ یا چند آیات تلاوت کرے اس کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع کرے یعنی اس طرح جھکا جائے کہ سر اور کمر برابر ہوں اور ہاتھوں سے گٹھے پکڑے۔ پھر تین یا پانچ یا سات بار تَسْبِيْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ پڑھے اور

سَمِعَ اللهُ مِنْ حَمْدِكَ كَمَا هُوَ سَيِّدُهَا كَهَذَا هُوَ جَائِزٌ بِحَسْبِ تَكْبِيرِ كَمَا هُوَ اس طَرَحِ سَجْدَةٍ
 میں جائے کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ اس کے بعد سر اور ناک۔ سجدہ میں
 تین یا پانچ یا سات مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے اور التذکیر کہتا ہوا دو زانو بیٹھ
 جائے پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کرے اور پھر تکبیر کہہ کر کھڑا ہو جائے اور پہلی رکعت
 کی طرح دوسری رکعت پڑھے مگر دونوں سجدوں کے بعد دو زانو بیٹھ جائے اور تشہد
 والتحیات پڑھے۔

اگر نماز دو رکعتی ہو تو تشہد کے بعد درود اور دعا پڑھ کر دائیں بائیں سلام کہے
 اور نماز ختم کر دے اور اگر نماز تین یا چار رکعتی ہو تو التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور
 باقی رکعتیں پوری کر کے درود دعا اور سلام کے ساتھ نماز ختم کر دے۔

وہ باتیں جن کی نماز کے اندر تکمیل ضروری ہے اور جن کے بغیر نماز
 نامکمل رہتی ہے۔ انہیں فرائض نماز بھی کہتے ہیں جو حسب ذیل ہیں

(۱) تکبیر تمکیدیہ یعنی نیت کرتے وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنا (۲) قیام یعنی نماز کو
 کھڑے ہو کر ادا کرنا اس قرأت یعنی سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ یا آیت پڑھنا (۳)
 رکوع یعنی اس طرح جھکنا کہ سر اور کمر برابر ہوں اور سبوں سے گھٹنے یکسر ہوں۔
 (۴) سجدہ یعنی دونوں ہتھیلیاں اور سر زمین پر اس طرح رکھنا کہ سر ہاتھوں کے درمیان
 ہو (۵) تعدد یعنی نماز کی آخری رکعت کے آخر میں بیٹھ کر تشہد اور درود شریف
 پڑھنا اور سلام پھیرنا۔

وہ باتیں جن کے چھوٹ جائے سے سجدہ ضروری لازم آتا ہے اور
 وہ سجدہ سہواً ادا نہ کیا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ واجبات نماز یہ ہیں۔

(۱) فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت (۲) فرض کے علاوہ تمام نمازوں کی
 جملہ رکعتوں میں قرأت (۳) قرأت میں اہل سورۃ فاتحہ بعد میں کوئی دوسری سورۃ

- یا آیت پڑھنا (۸) پہلے رکوع کرنا بعد میں سجدہ کرنا (۵) قومہ یعنی رکوع کے بعد کھڑا ہونا
 (۶) جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (۷) نماز کے تمام ارکان بالترتیب ادا کرنا
 (۸) قعدہ اُردلی یعنی تین یا چار رکعتوں والی نماز میں دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا۔
 (۹) دوسرے قعدہ میں بھی تشہیر پڑھنا (۱۰) امام ہونے کی صورت میں فجر، مغرب
 عشاء، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان کے وتروں کی قرأت، باواز بلند کرنا۔
 (۱۱) سلام کے ساتھ نماز ختم کرنا (۱۲) وتروں میں تکبیر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنا۔
 (۱۳) عیدین میں زائد تکبیریں کہنا۔

نماز بے شمار فوائد و ثمرات کی حامل ہے۔ جن میں سے

فوائد و ثمرات بعض یہ ہیں۔

- ۱۔ انفرادی حیثیت سے انسان کی سیرت کی تعمیر اور شخصیت کی تشکیل کرتی ہے۔ اس میں احساس ذمہ داری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ ضبط نفس اور پابندی وقت کی تربیت دیتی ہے۔ فحش اور بے حیائی کی باتوں سے بچاتی اور اخلاق کی اصلاح کرتی ہے اور انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتی ہے۔
- ۲۔ اجتماعی حیثیت سے افراد قوم میں نظم و ضبط، ہم آہنگی دیک جہتی، اتحاد و اتفاق، اخوت و مساوات پیدا کر کے ملت اسلامیہ کے افراد کو ایک مرکز پر مجتمع کرتی ہے۔
- ۳۔ نماز بندے کا اپنے معبود حقیقی سے براہ راست تعلق قائم کر کے اسے روحانی بالیدگی اور پاکیزگی نفس مہیا کرتی ہے۔ جس سے وہ رضائے باری تعالیٰ کے حصول کے ساتھ جنت کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

۳۔ روزہ

مفہوم | روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ عربی زبان میں روزے کو "صوم" کہتے ہیں جس کی جمع "صیام" ہے۔ صوم کے لغوی معنی چپ رہنا، اپنے آپ کو روکنا اور باز رہنا ہے۔ اصطلاح شریعت میں روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک تمام کھانے پینے اور شہواتی خواہش کی تکمیل سے باز رہنا ہے ہر عاقل بالغ مسلمان پر پورے ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔

اہمیت و فضیلت | روزہ ایک اہم اسلامی عبادت ہے، اس کی اہمیت درج ذیل سے ہے۔

۱۔ روزے کا اہم کردار: روزہ محض بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں بلکہ نماز کی طرح روزہ بھی انسان کی زندگی پر بیشمار انفرادی اور اجتماعی اثرات پیدا کرتا ہے۔ روزے سے انسان میں خدا تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا جذبہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ انسان اور دنیویں کی نسبت روزے میں خدا کی عبادت نسبتاً زیادہ کرتا ہے اور اس کے احکام کی زیادہ سے زیادہ پابندی کرتا ہے۔ پھر روزہ دار محض کھانا پینا اور نفسانی خواہشات کو ہی ترک نہیں کرتا بلکہ بھوٹ فریب لڑائی جھگڑا اور ہر طرح کے فسق و فجور سے اجتناب کرتا ہے اس طرح ضبط نفس روحانی بالیدگی اور قلبی پاکیزگی حاصل ہو کر اس کی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ روزوں کے لیے چونکہ رمضان المبارک کا ایک مہینہ مقرر ہے لہذا اس سے امت مسلمہ کے افراد کو وحدت و یگانگت، رفاقت و یکجہتی اور اخوت و مساوات کے اجتماعی فوائد حاصل ہوتے ہیں لیکن سب سے بڑا اجتماعی فائدہ یہ ہے کہ اس سے امداد باہمی کی روح بیدار ہوتی ہے اور عملی سہمدردی کا جذبہ ابھرتا

ہے کیونکہ روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پر بھی وہ کیفیت طاری کر دیتا ہے جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گز رہی ہوتی ہے اور اس طرح وہ اس کی مصیبت کو حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے۔

۲۔ قرآن پاک کا حکم۔ قرآن پاک میں روزوں کی فریضت کا حکم یوں دیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض تھے، تاکہ تم متقی بنو)

اگلی آیت میں ماہ رمضان کا ذکر کرتے ہوئے روزے رکھنے کا حکم یوں دیا گیا ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ (البقرة)

(اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اس مہینہ (رمضان) کو پائے تو وہ اس میں ضرور روزے رکھے)

۳۔ ارشادات نبوی۔ روزے کی اہمیت و فضیلت میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی متعدد ارشادات کتب احادیث میں مروی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ روزہ (گناہوں سے بچنے کے لیے) ڈھال ہے، ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں خود روزے کی جزا ہوں" ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جو کوئی فریب کی بات کہتا اور فریب کرنا نہ چھوڑے تو خدا کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی حاجت نہیں کہے

روزے کے مقاصد | قرآن حکیم میں روزہ کے مندرجہ ذیل تین بنیادی مقاصد بیان ہوئے ہیں۔

(۱) تَقْوَى :- تقویٰ و پرہیزگاری پیدا کرنا جیسا کہ فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
(تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو)

(۲) شُكْرًا :- اللہ کے لیے شکر اور احسان مندی کا جذبہ پیدا ہو جیسا کہ فرمایا
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (تاکہ تم شکر گزار بنو)

(۳) ذِكْرًا :- ذکر الہی اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا جذبہ جیسا کہ فرمایا: وَلِتُذَكِّرُوا
اللَّهَ عَلَىٰ مَا هُمْكُمْ (تاکہ اللہ نے جو تمہیں ہدایت دی اس پر اسکی بڑائی بیان کرو)

ضروری احکام
(۱) مندرجہ ذیل باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
(۲) عمدًا کھانا پینا (۳) شہوانی خواہش کی تکمیل
کرنا (۴) جی بھر کر تھے کرنا (۵) حقہ یا سگریٹ پینا (۶) معدے یا گلے
میں کچھ پہنچانا۔

(ب) مندرجہ ذیل امور سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۱) تیل عطر یا سرمہ لگانا یا خوشبو سونگھنا یا مسواک کرنا (۲) خود بخود تھے ہو
جانا یا پیٹ سے ہوا کا خارج ہونا (۳) بھول چوک سے کچھ کھاپی لینا۔

(ج) مسافر اور بیمار کے لیے روزے کی قضا ہے وہ بعد میں اتنے روزے رکھے

(۱) ایسا ضعیف جس میں روزے کی سکت نہ ہو وہ روزہ نہ رکھے اور کفارے
کے طور پر کسی مسکین کو دو وقت کھانا کھلا دے۔

(۲) اگر کوئی شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ دے یا نہ رکھے تو اس پر فضا اور

تارہ دونوں لازم ہیں یعنی وہ ایک غلام آزاد کرے یا مسلسل ساٹھ روزے
رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور قضا بھی کرے۔

(۳) اگر بلا عذر شرعی ایک روزہ بھی ترک کر دے تو عمر کھبر کے روزوں سے

اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

ثمرات و فوائد روزے کے بیشتر انفرادی و اجتماعی فوائد ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

- ۱۔ روزے سے اطاعت خداوندی کا جذبہ اکھڑتا ہے، ضبط و نفس اور روحانی بالیدگی اور قلبی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔
- ۲۔ اجتماعی حیثیت سے امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق اور مساوات و ہمبندی کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔
- ۳۔ رہنائے الہی حاصل ہوتی ہے اور انسان اللہ کے دنیوی و دنیوی انوائے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

۴۔ زکوٰۃ

مفہوم زکوٰۃ اسلام کا چوتھا رکن اور نہایت اہم فریضہ ہے۔ زکوٰۃ کا لفظ زکی سے ماخوذ ہے جس کے معنی پاکیزگی اور بالیدگی کے ہیں۔ اصطلاحات شریعت میں زکوٰۃ سے مراد وہ مالی امداد ہے جو ہر وہ مسلمان جو دولت کی ایک مخصوص مقدار تک مالک ہو محتاج و مستحق لوگوں کے لیے ایک خاص تناسب کے ساتھ اپنے مال میں سے نکالتا ہے۔ چونکہ مستحق لوگوں کے اس حصہ کے نکل جانے کے بعد باقی مال کو طہارت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں زکوٰۃ کے لیے ”صدقہ“ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن صدقہ کا مفہوم وسیع ہے اور اس کا اطلاق ہر مالی و جسمانی امداد پر ہوتا ہے۔

زکوٰۃ اور خیرات میں فرق خیرات ایک نفلی عبادت ہے اور اس کا مفہوم بہت عام اور وسیع ہے۔ محتاجوں اور مفلسوں کی مالی امداد و اعانت کو خیرات کہتے ہیں۔ اسے ہر کوئی ادا کر سکتا

ہے۔ اور اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں بلکہ حسب توفیق جتنقدر چاہیں دیدیں۔

اگرچہ زکوٰۃ بھی ایک طرح کی خیرات ہے مگر یہ ایک فریضہ ہے جو صرف صاحب

استطاعت لوگوں پر عائد ہوتا ہے اور ایک خاص تناسب سے مستحقین کو ادا کی

جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا اجتماعی طور پر بیت المال کے ذریعہ جمع و تقسیم کرنا زیادہ مستحسن ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے زکوٰۃ کے

دو مقاصد بیان کئے ہیں :-

۱۔ ازالہ بخل و امساک۔ یعنی کنجوسی و بخلی اور دولت کے بے جا جمع

کئے جانے کو روکنا۔

۲۔ مفاد عامہ اور بہبودی خلائق :- یعنی عوام الناس سے غربت و اندلس

کو دور کر کے ان کی معاشی حالت سدھارنا۔

زکوٰۃ کی اہمیت | زکوٰۃ کی اہمیت کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں :-

۱۔ اہم دینی ضرورت :- زکوٰۃ کو اگرچہ ارکان اسلام میں چوتھے نمبر پر رکھا

گیا ہے اور وہ اس لیے کہ زکوٰۃ نماز اور روزے کی طرح ہر ایک پر نہیں بلکہ صرف

صاحب حیثیت لوگوں پر فرض ہے لیکن زکوٰۃ کے بارے میں قرآن و سنت کی

تعلیمات پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوتا ہے کہ نماز کے بعد بس اسی کا مقام ہے۔ چنانچہ

قرآن پاک میں ایمان کے ساتھ جہاں جہاں اعمال صالح کا ذکر آیا ہے وہاں صرف

دو ہی اعمال یعنی نماز اور زکوٰۃ بیان ہوئے ہیں۔ دراصل اس کا سبب یہ ہے

کہ نماز اور زکوٰۃ کو اسلام میں اتنا اہم مقام حاصل ہے کہ پورے دین پر حاوی ہیں۔

اصولی اعتبار سے احکام دین و دوزخ پر منقسم ہیں ایک حقوق اللہ جن کا

تعلق اللہ سے ہے اور دوسرے حقوق العباد جن کا تعلق بندوں سے ہے۔

نماز حقوق اللہ کا معنی ہے اور زکوٰۃ حقوق العباد کا سچوٹ ہے۔ نماز اور زکوٰۃ انسان کو خدا پرست بنانے کی سب سے زیادہ موثر ذرا ہیں ایک ایسا جانی طور پر اور دوسرے سلیبی طور پر۔ نماز خدا کی طرف لے جاتی ہے اور زکوٰۃ دنیا میں لڑا جکتے ہیں بجاتی ہے۔ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد تنزیہ نفس و تزکیہ مال ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ دینے والے کا دل حرص سے مبرا ہو جاتا ہے اور اسی کا مال دوسروں کا معنی نکلتے کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔

۲۔ ہمہ گیر معاشی منصوبہ پر دینی نقطہ نظر کے علاوہ زکوٰۃ ایک ہمہ گیر معاشی منصوبہ اور سماجی فلاح کی ایک زبردست سکیم ہے جس سے ملک و ملت کے غریب و نادار افراد کی امداد کی جاتی ہے اور معیشت کو صحتمند بنیادوں پر استوار کیا جاتا ہے۔ جدید علم معیشت میں فلاح کا تصور بہت نیا ہے۔ لیکن اسلام نے آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے فلاحی مملکت کا تصور پیش کرتے ہوئے زکوٰۃ کی شکل میں امداد باہمی کا نظام عطا کیا۔

زکوٰۃ دولت کی غیر مساوی تقسیم اور دولت کی ذخیرہ اندوزی کو روکنے اور معاشی توازن پیدا کرنے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ کا ایک مقصد دین اسلام کی حفاظت و نشر بھی ہے۔ فی الحقیقت زکوٰۃ ایک عظیم انقلابی معاشی تصور ہے۔

۳۔ قرآن و سنت میں تاکید۔ قرآن و سنت میں نماز کے بعد جس چیز کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
وَأَقْرَبُوا لِلَّهِ قَرَضًا حَسَنًا. وَهَذَا
نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو
اچھا قرض دو اور جو تم اپنے لیے آگے

نَقْدًا مَوْالَا نَفْسِكُمْ مِنْ خَيْرِ امْتَدَادٍ
عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ اَوْ اَعْظَمُ
بھیجو گے اس کو خدا کے پاس بہتر
اور ثواب میں زیادہ پاؤ گے (مزل)

ایک دوسرے مقام پر زکوٰۃ کا اس طرح حکم دیا گیا ہے کہ۔

خُلِّدُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تَطْفَهُنَّ
عَمَّ وَتُرْكِبْنَهُمْ بِهَا (التوبہ)
اے نبی! ان کے مال میں سے صدقہ
زکوٰۃ وصول کرو کہ اس کے ذریعہ تم
ان کو پاک و صاف کر سکو گے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنا نائب بنا کر
یمن بھیجا تو وحید اور نماز کے بعد جس چیز کا حکم دیا وہ زکوٰۃ تھی اس کی نسبت
فرمایا کہ وہ ان کے دو تمدنوں سے لے کر ان غیر عربوں میں تقسیم کر دینا، احادیث
میں آتا ہے کہ زکوٰۃ کبھی کبھی اسلام کی شرائط بیعت میں بھی شامل کی گئی چنانچہ حضرت
جزیر بن عبد اللہ بجلی کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے تین باتوں پر بیعت کی تھی۔ نماز
پڑھنا، زکوٰۃ دینا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا۔ وفد عبد القیس نے بارگاہ نبوت
میں حاضر ہو کر اسلام کی تعلیمات دریافت کیں تو آپؐ نے اعمال میں پہلے نماز
اور پھر زکوٰۃ کو جبکہ دی۔

زکوٰۃ چار چیزوں پر عائد ہوتی ہے۔

نصاب و تناسب زکوٰۃ (۱) سونا چاندی اور نقدی (۲) جانور مویشی

(۳) زمین اور (۴) سامان تجارت۔ بشرطیکہ مقررہ نصاب کے مطابق ہوں
اور ان پر ایک سال کی مدت گزر جائے۔

نصاب مال کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ اور تناسب

اس شرح کو کہتے ہیں جس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوتی ہے۔ مختلف

اشیاء کی زکوٰۃ کا نصاب اور تناسب یہ ہے۔ سونے کا نصاب پانچ تولے اور چاندی کا پانچ ہونے، نقدی کا ۲۰ درہم اور سامان تجارت اتنی مالیت کا ہونے ان سب پر زکوٰۃ کی شرح پانچ فی صد یعنی چالیسواں حصہ ہے۔ زمین کی فصل جتنی بھی ہو اس پر زکوٰۃ آئے گی۔ نہری یا بارانی زمین پر فصل کا پانچ حصہ اور چاہی یا سیرابی زمین پر فصل کا پانچ حصہ ادا کرنا ہوگی۔ دہینہ جس قدر ملے اس کا پانچ حصہ زکوٰۃ دینا ہوگا۔ بھٹ بکری دہنہ کا نصاب ۱۴ ہے اور تناسب ایک چھٹے بھینس کا نصاب ۴ اور تناسب ایک چھٹا، اونٹ کا نصاب ۵ اور شرح اونٹ کا ایک بچہ ہے۔

مصارف زکوٰۃ جن جگہوں پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔ انہیں آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) فقراء یعنی محتاج جن کے پاس زندگی بسر کرنے کو کچھ نہ ہو (۲) مساکین جن کے پاس بہت قلیل سامان زندگی ہو اور اگر بروقت اس کی مدد نہ کی جائے تو بالکل فقیر ہو جائے کا اندیشہ ہو۔ بے روزگار بھی اس ضمن میں آتے ہیں۔ (۳) عاملین زکوٰۃ یعنی جو زکوٰۃ کی فراہمی پر مقرر ہوں (۴) مؤلفۃ التکویب یعنی نو مسلم جنکے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہے (۵) غلاموں کے آزاد کرنے میں (۶) قرض داروں کے لیے جو اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں (۷) فی سبیل اللہ اللہ کی راہ میں یعنی ان تمام امور پر جو دین و ملت کی حفاظت و استحکام کے لیے ہوں مثلاً ملکی دفاع، اشاعت دین، تعلیمی ادارے، مساجد اور نفاہ عامہ کے کام وغیرہ۔ (۸) مسافر جس کے پاس سفر خرچ کا ہو۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کی رقم باقاعدہ طریق سے وصول کرے

بیت المال (خزانہ) میں جمع کرے اور ضرورت و حالات کے مطابق جس صورت پر درکار ہو خرچ کرے۔

فوائد و ثمرات | زکوٰۃ بے شمار فوائد و ثمرات کی حامل ہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان میں سخاوت و فیاضی کا جذبہ بڑھتا ہے، بخل و کنجوسی مٹ جاتی ہے اور دوسروں کے لیے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ ادا دبا بھی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس سے ایک دوسرے کی مدد ہو جاتی ہے اور معاشرے میں کوئی بھی شخص ہاتھ پھیلا کر در بدر نہیں پھرتا۔ سب بھروسہ مند، یقینوں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ سے خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان انعامات ربانی کا حقدار ٹھہرتا ہے۔

۵۔ حج

مفہوم | حج، کے لغوی معنی زیارت اور قصد کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں حج سے مراد مقررہ ایام میں مقررہ رسوم کے ساتھ بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی زیارت کا قصد کرنا ہے۔ حج ماہ ذوالحجہ کی ۸ تا ۱۰ تاریخ کو ادا کیا جاتا ہے۔ اگر ان ایام کے علاوہ سال کے اور دنوں میں بعض رسوم کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کی جائے تو اسے "عمرہ" کہتے ہیں۔

حج کا پس منظر | حضرت آدمؑ جب اس دنیا میں اتارے گئے تو انہوں نے اللہ کی عبادت کے لیے جو سب سے پہلا گھر تعمیر کیا

وَلَا عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنْ
 اِسْتِطَاعَةِ اِلَيْهِ سَبِيْلًا رَاى عَمْرُو
 دلوگوں پر اللہ کا یہ حق عائد کیا گیا ہے
 کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے
 گھر کا حج کرے

حدیث نبوی میں حج کی اہمیت بعد بیان کی گئی ہے حضور نے فرمایا کہ
 جو جس شخص کو نہ تو کسی خاص ضرورت نے حج کرنے سے روکا، نہ کسی ظالم حاکم
 نے، نہ کسی مرض نے اور پھر بھی اس نے حج نہ کیا تو اس کی مرضی ہے یہودی
 ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر

حج اگرچہ ایک عبادت ہے لیکن فی الحقیقت یہ تمام عبادات کا مجموعہ اور تمام
 اعمال خیر کی روح ہے۔ حج نماز بھی ہے کیونکہ اس میں ذکر شامل ہے، زکوٰۃ
 بھی ہے کیونکہ اس میں اللہ کی خاطر اپنی دولت صرف کی جاتی ہے اور روزہ بھی
 ہے کیونکہ اس میں عیسیٰ علیہ السلام اور زینب زینت کی بھی ممانعت ہے۔
 مناسک حج پر نظر ڈالیں تو ہر ایک چیز خدا کی بندگی کا تصور پیش کرتی ہے
 حج کا لباس احرام، لَبِيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبِيْكَ کی صدا، طواف کعبہ، صفا و مروہ
 کی سعی، ہجرت پر نگریاں مارنا، اور منیٰ کی قربانی وغیرہ تمام رسوم خدا کی
 بندگی، رشتہ و قربانی، اخوت و مساوات اور اسلامی بین الاقوامیت اور جہاد
 کے جذبات اجاگر کرتی ہیں۔

مناسک حج | مناسک کے معنی رسوم کے ہیں اور مناسک حج سے مراد وہ
 رسوم و عبادات ہیں جن کی ادائیگی حج کے لیے ضروری ہے

یہ مناسک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ احرام پہننا۔ یہ وہ لباس ہے جو ہر حاجی حج کے دوران پہننے رکھتا ہے۔ یہ
 ان منیٰ اور جہاد کے رشتہ کی طرح باندھی جاتی ہے۔

اور دوسری کندھوں پر ڈالی جاتی ہے۔ یہ لباس دراصل اسلامی اخوت و مساوات کی آئینہ دہی کرتا ہے۔

۲۔ تلمیح : سیرہ وہ کلمات ذکر ہیں جو حج کے دوران دہرائے جاتے ہیں یہ کلمات

یہ ہیں۔
 لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ
 لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ
 لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ
 (حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں
 تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں
 سب تعریفیں اور نعمتیں تیرے لیے ہیں
 اور حکومت بھی تیرے لیے ہے تیرا کوئی
 شریک نہیں ہے)

۳۔ طواف : خانہ کعبہ کے گرد چکر لگانے کا نام طواف ہے۔ ہر حاجی کو سات بار طواف کرنا ہوتا ہے۔

۴۔ مقام ابراہیم : تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں حضرت ابراہیم نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں وہ پتھر حرم کعبہ میں نصب ہے اور اسے مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ ہر حاجی یہاں دو رکعت نماز نفل ادا کرتا ہے۔

۵۔ حجر اسود : وہ سیاہ پتھر ہے جو خانہ کعبہ کے ایک طرف نصب ہے اسے طواف کے چکر شمار کرنے کے لیے لگایا گیا تھا۔ ہر حاجی طواف کے دوران اسے بوسہ دیتا ہے یا ہاتھ سے چھوتتا ہے یا صرف اشارہ کرتا ہے۔

۶۔ سعی : سعی کے معنی دوڑنا ہے اور اس سے مراد حاجیوں کا صفا اور مرد پہاڑیوں کے درمیان سات بار دوڑنا ہے۔ حضرت ابراہیم کی بیوی ہاجرہ کی یاد میں ہے۔ جو اپنے بچے حضرت اسماعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان مسنطربانہ دوڑی تھیں۔

۷۔ عرقا وہ میدان ہے جو مکہ سے باہر دس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جہاں سب حاجی جمع ہو کر امیر الحج کا خطبہ سنتے ہیں۔

۸۔ رمی وہ رمی کنکریاں مارنے کو کہتے ہیں۔ میدانِ عرفات سے واپسی پر منیٰ کے میدان میں تین ٹیلوں و جہرات، پھر سب حاجی یہ کنکریاں مارتے ہیں۔ یہ بھی حضرت ابراہیم کی وہ یاد ہے جب انہوں نے شیطان پر کنکریاں پھینکی تھیں جو انہیں بیٹے کی قربانی سے بھگانے آیا تھا۔

۹۔ قربانی :- منیٰ کے میدان میں تمام حاجی رمی کے بعد جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اور سر منڈاتے ہیں۔

طریق حج تمام حاجی حدودِ میقات وہ مقام جہاں سے حرم مکہ شروع ہوتا ہے) پر پہنچ کر غسل کر کے احرام باندھ لیتے ہیں پھر مکہ میں داخل ہو کر تلبیہ ادا کرتے ہیں اور کعبہ کا طواف کرتے ہیں پھر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر صفا و مروہ کی سعی کرتے ہیں۔

۱۰۔ ذوالحجہ کو مسجد حرام میں امام خطبہ دیتا ہے اور مسائل حج سمجھاتا ہے۔ ۸ تاریخ کو عرفات کی طرف روانگی ہوتی ہے۔ رات منیٰ میں گزارتے ہیں اور نماز فجر کے بعد عرفات آتے ہیں ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد ایک پہاڑی جبلِ رحمت پر دعائیں مانگتے ہیں۔ غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ آتے ہیں اور مغرب و عشاء کی نمازیں ادا کر کے رات بسر کرتے ہیں۔ طلوع آفتاب کے وقت یہاں جہرات پر رمی کرتے ہیں۔ ۱۰ تاریخ کو منیٰ پہنچ کر قربانی ادا کرتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں اور بال ترشواتے ہیں۔ پھر خانہ کعبہ آکر طواف کرتے ہیں۔ دو دنین روز کے لیے دوبارہ متی جاتے ہیں۔ وہاں سے واپس آکر مکہ میں طواف و دارع کرتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں۔

آداب حج | آداب حج سے مراد وہ حدود و شرائط ہیں جن کا دوران حج محفوظ رکھنا لازمی ہے۔ آداب حج یہ ہیں۔

۱۔ **حرمیت شکار** :- حج کے دوران شکار کرنا ممنوع ہے اور جو کوئی ارڈنا شکار کرے اسے کفارہ ادا کرنا ہوگا جو اسی کے مثل جالوز یا اتنی قیمت کے لحاظ سے مساکین کو کھانا کھلانا ہوگا۔

۲۔ **ممانعت جنگ، گناہ اور رغبت غورت** :- حج کے دوران جنگ، لڑائی جھگڑا، گناہ و فسق اور بیوی سے خلوت کی ممانعت ہے۔ البتہ لغت کی خاطر لڑنا جائز ہے۔

۳۔ **اجازت کاروبار** :- حج کے دوران تجارتی کاروبار کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ حج پر زور نہ پڑے۔

فوائد و ثمرات | حج بیشمار فوائد و ثمرات کا حامل ہے۔ جن میں سے اہم

۱۔ اولین فائدہ دینی مقاصد کی تکمیل ہے۔ حج مختلف یادگاروں کا مجموعہ ہے۔ اور حج سے ان یادگاروں کو دیکھ کر دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔
 ۲۔ حج کے دنیاوی فوائد بھی بہت ہیں۔ اس سے عالمگیر اسلام برادری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت فروغ پاتی ہے۔ سیاحت کے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ نیز اشاعت دین میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔

اخلاق اسلامی

- * _____ تقویٰ
- * _____ صدق
- * _____ امانت
- * _____ صبر
- * _____ تحمل
- * _____ عفو
- * _____ عدل
- * _____ احسان
- * _____ خدمت خلق

اخلاق

مفہوم اخلاق و اخلاق کی صحیح ہے جس کے معنی طبیعت، عادت اور خصلت کے ہیں۔ اصطلاح میں اخلاق سے مراد وہ عادات و خصائل ہیں جو انسان سے مسلسل سرزد ہوتے رہتے ہیں اس کی طبیعت کا جزو بن جائیں۔ اگر یہ عادات عبادت ہوں تو انہیں "اخلاقِ حسنة" کہتے ہیں اور اگر یہ عادات برائی ہوں تو انہیں "اخلاقِ شقیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔

اسلامی اخلاق سے مراد وہ اخلاقِ حسنة ہیں جو اسلام نے ہی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لیے دنیا کو دیئے ہیں۔

اہمیت

اسلام میں اخلاق کی اہمیت مسندِ نبویؐ و لائل سے واضح ہوتی ہے۔

۱۔ انسان کی اولین حیثیت فرد کی ہے اور افراد ہی کے مجموعے سے معاشرہ بنتا ہے۔ لہذا اگر کسی معاشرے کے تمام افراد اپنی اصلاح کر لیں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیں تو وہ معاشرہ درست و صالح ہو جائے گا اور ایک مثالی اسلامی معاشرہ کھلائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام فرد کی اصلاح کے لیے اخلاقِ حسنة کے اپنانے پر تاکید کرتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کا امن و سکون اور ساری خوشحالی کا انحصار اخلاق پر ہی ہے اور اگر اخلاق نہ ہوں تو زندگی کا سکھ اور چین ختم ہو جائے روہی قوم زندگی کے فیوض و برکات کی مستحق ہے جس کے افراد اخلاقِ حسنة سے مزین ہوں اور جو قوم اخلاق سے بے بہرہ ہو اس کا تمدنی و معاشرتی شیرازہ منتشر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مفکرین کا خیال ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کا سبب بھی اخلاق ہے

چنانچہ خدا تعالیٰ جب کسی قوم کو ملک و سلطنت کے شرف سے نوازنا چاہتا ہے تو پہلے اس کی اخلاقی حالت کی اصلاح فرماتا ہے اور پھر اسے یہ شرف عطا کرتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی قوم بد اطوار لوگوں اور بد اخلاقیوں کی گرویدہ ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ اسے حکمرانی سے محروم کر کے ان کی جگہ دوسروں کو برسر اقتدار لاتا ہے۔

مختصر یہ کہ اخلاق حسنہ کے پیمانے سے زندگی میں حسن و نکھار پیدا ہوتا ہے اور تمدنی و معاشرتی ترقی حاصل ہوتی ہے۔

پہلا سب کی بنیاد ہے۔ اخلاق کی اہمیت کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا

ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہی ہے۔ دنیا میں جس قدر پیغمبر اور مصلح ہو گئے ہیں سب نے اخلاقیات پر زور دیا ہے اور عمدہ اخلاق کی ضرورت و اہمیت کا احسان دلایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک نے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کی بخت کا مقصد بھی تعلیم اخلاق ہی بنایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ

رُسُلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ (الجمعه: ۱)

علماء کرام کے نزدیک اس آیت قرآنی میں "تزکیہ نفس" اور "تعلیم حکمت سے

مراد" کا رخ اخلاق کی تعلیم و تکمیل ہے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی بخت کا مقصد یہی بیان کیا فرمایا :-

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَعَارِمَ الْأَخْلَاقِ

بیشک میں محاسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا :-

بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ حَسَنَ الْأَخْلَاقِ

میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

کہ عبادات کا تعلق محض خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اگر کوئی شخص ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے تو مراد سے یا معاف کر دے لیکن اخلاق کا تعلق بندوں کے ساتھ ہے۔ اور خدا تعالیٰ بندوں کے حقوق غصب کرنے والے کو معاف نہیں کرتا تا وقتیکہ وہ شخص جس کا حق غصب کیا گیا ہے جو وہ معاف نہ کر دے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس بھائی نے کسی دوسرے بھائی پر ظلم کیا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس دنیا میں اس سے معاف کرانے ورنہ وہاں تاوان ادا کرنے کے لیے کسی کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ ہوگا صرف اعمال ہوں گے۔ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔ (بخاری)

۴۔ اسوۃ رسول : اخلاق کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لیے بہترین نمونہ اخلاق بنا کر بھیجا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)

البتہ تمہارے لیے رسول خدا بہترین نمونہ ہے۔

ایک دوسرے مقام پر آپ کے اعلیٰ اخلاق کی یوں گواہی دی گئی ہے فرمایا :-

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ
رے نبیؐ، بیشک آپ عمدہ و اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔

درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس قرآن پاک یعنی احکام اسلام کی عملی تصویر ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرتؐ کا اخلاق کیا ہے؟ آپؐ نے مسائل سے دریافت کیا۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ اس نے کہا ہاں پڑھا ہے۔ آپؐ نے کہا وہی حضورؐ کا اخلاق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا اندازہ حضرت جعفر طیارؓ کی اس

تقریر سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے نجاشی شاہ جہنہ کے دربار میں کی۔ انہوں نے کہا
 درائے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ برکاریاں
 کرنے لگے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ زبردست زبردستوں
 کو کھا جاتے تھے۔ اس اثنا میں ایک شخص (حضرت محمد) ہم میں پیدا ہوا۔ اس نے
 ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ خونریزی سے باز آئیں۔ پتھروں
 کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دیں۔ پاکدامن عورتوں پر نہمت نہ لگائیں۔
 اسی طرح ہر قافلہ کے دربار میں لبوسنیاں جو اس وقت شہنشاہ کے آگے آتے تھے ان کے اخلاق
 حسد کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کو خدا کی توحید و عبادت کی تعلیم دیتے
 ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سچ بولیں۔ اور رشتہ داروں کا حق ادا کریں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جمیلہ کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔
۵۔ ارشادات نبویؐ :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں

اخلاق کی اہمیت بتائی ہے اور اخلاق کے اپنانے پر زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا
 کہ مسلمانوں میں مکمل ایمان اس شخص کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ ایک دوسری
 حدیث میں ارشاد فرمایا کہ تم میں سے نیک وہ ہے جو اخلاق میں تم سب سے اچھا ہے۔
 ایک اور حدیث میں فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے
 جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول
 اللہ! انسان کو جو چیزیں دی گئی ہیں ان میں سے بہتر کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا
 خوش خلقی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا کہ دین کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا خوش
 خلقی۔ ایک شخص نے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ
 حسن خلقی۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میزان عمل میں خوش اخلاق سے بھاری کوئی
 نیک عمل نہیں ہوگا۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ خوش خلقی اللہ تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اخلاق

حسنہ کا اجر آخرت میں بھی بہت زیادہ ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز مومن بندے کے ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ قیامت کے بعد تم میں سے میرا محبوب ترین اور قریب ترین جلس وہ ہوگا جو تم میں سے عمدہ اخلاق والا ہوگا اور مجھ ناپسند اور قیامت میں مجھ سے دور وہ ہوگا جو بد خلق ہوگا۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ میں جنت کی بلندی ہیں اس شخص کے لیے ایک گھر کا ذمہ لیتا ہوں جو اپنے خلق کو عمدہ بنا سکے۔ نیز آپؐ سے پوچھا گیا کہ کونسی چیز جنت میں سب سے زیادہ داخل ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا: "تقویٰ اور حسن اخلاق۔"

آپؐ نے اخلاق کی اہمیت پر اس قدر زور دیا کہ فرمایا انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پاسکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اسلام نے اخلاق کا ایک نہایت ہی جامع نظام پیش کیا ہے جس کی بعض امتیازات

خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ جامعیت :- اخلاق اسلامی کی سب سے اولین خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہایت ہی جامع ہیں۔ دنیا کی ہر قوم، ہر ملک، ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ نیر حاکم و محکوم، آقا و غلام، امیر و غریب ہر طبقہ کے لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اصل بنیاد نیت و کوشش پر ہے۔ اگر ایک کوڑ پتی نام و نمود کی خاطر کروڑوں روپے خرچ کر دیتا ہے تو وہ بے سود ہے اور اس کے برعکس ایک غریب شخص غلوں سے روٹی کا ایک ٹکڑا محتاج کو دیتا ہے تو وہ خدا کے ہاں مقبول ہے۔ غرضیکہ اسلامی دستور اخلاق نہایت جامع و سہمگیر ہے۔
- ۲۔ تفصیلیت :- اسلامی اخلاق کی دوسری خصوصیت ان کا مفصل ہونا ہے اسلامی نظام اخلاق انسان کے سب احوال کو پیش نظر رکھتا ہے اور زندگی کے

کسی چیز پر نظر انداز نہیں کرتا۔ دکھ و سکھ، بیماری اور تندرستی، دشمنی و دوستی ہر طرح کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اصول و ہدایات دیتا ہے۔ اور زندگی کے ہر جز کے بارے میں احکام مہیا کرتا ہے۔

۳۔ دائمییت۔ اسلامی نظام اخلاق محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی کے لیے نہ تھا بلکہ قیامت تک کے لیے ابدی و دائمی اصول و قوانین دیتا ہے جو ہر دور اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہیں۔ اسلامی دستور اخلاق میں فطری لچک موجود ہے جو اسے ہر زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ڈھال دیتی ہے البتہ اس کے بنیادی اصولوں میں قطعاً کوئی لچک و تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

۴۔ عملییت۔ اسلامی نظام اخلاق کی ایک خصوصیت عملییت یا عمل پذیری ہے۔ یعنی یہ آسانی سے عمل کے ڈھانچے میں ڈھل سکتے ہیں۔ اسلامی اخلاق محض فرشتوں اور دیوتاؤں کے بس کی چیز نہیں بلکہ عام انسان بھی اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عملی نمونہ پیش کیا اور آپ کے صحابہ کرام نے بھی نہایت کامیاب مثالیں پیش کیں۔

۱۔ تقویٰ

مفہوم | ”تقویٰ“ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ ”قی“ ہے۔ جس کے معنی ڈرنا، بچنا، حفاظت کرنا اور پرہیز کرنا ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ”تقویٰ“ سے مراد خدا تعالیٰ کے خوف سے اپنی حدود کے اندر رہنا اور ہر قسم کے تجاوز سے بچ کر زندگی بسر کرنا ہے۔

داصل تقویٰ اس ضمن شناسی اور احساس ذمہ داری کا نام ہے جو انسان کے دل میں خوف خدا سے ہر وقت جاگزیں رہتا ہے اور وہ نیکی پر مستعد اور بدی سے محتسب رہتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”تقویٰ کا مرکز و مسکن دل ہی قرار دیا۔ جیسا کہ فرمایا۔“

”التَّقْوَىٰ حُجَّتُنَا“

(تقویٰ یہاں ہے)

تقویٰ کا مفہوم اس مثال سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ الاحبار سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کیا آپ کبھی بار بار راستہ پر چلے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا کہ آپ کس طرح گڈرے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنا آپ بچایا اور دامن سمیٹ کر چلا۔ حضرت

کعبؓ الاحبار نے کہا۔ یہی تقویٰ ہے۔
پسنت تقویٰ کی اہمیت کے دلائل سب ذیل ہیں:-

تعمیر کردار و تشکیل سیرت:- انسانی کردار کی تعمیر اور اس کی سیرت کی تشکیل

تقویٰ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے تمام اعمال و افعال کی ابتدا ارادے سے ہوتی ہے اور ارادے کا تعلق دل سے ہے۔ اس لیے اگر دل میں تقویٰ و پرہیزگاری ہوگی۔ تو نیت صحیح ہوگی اور انسان جو کام سرانجام دے گا وہ درست، صحیح و نیک۔ اگر دل میں تقویٰ نہ ہو تو نیت و ارادہ پر کوئی بندش نہ رہے گی اور انسان اہشتات نفسانی کا تابع ہو کر فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے گا اور کسی کام کا بھی نتیجہ درست نہ ہوگا۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”خبردار جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور جان لو کہ وہ دل ہے۔“

لہذا تکمیل شخصیت اور تعمیر کردار کے لیے لازمی ہے کہ انسان اپنے دل میں تقویٰ پرا کرے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے بھی قرآن پاک کے پارے میں ارشاد فرمایا کہ:-
”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تَقْوٰىہٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ“ (یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے) یعنی قرآن پاک سے استفادہ کرنے کے لیے ہمیں دل میں تقویٰ ہونا ضروری ہے۔

معیار فضیلت:- اسلام میں شرافت و برتری اور فضیلت و برتری کا

معیار مال و دولت یا حسب و نسب یا رنگ و نسل یا قوم و وطن نہیں بلکہ محقق تقویٰ
 ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہی شخص شرف و معزز اور اعلیٰ
 و ارفع ہے جو متقی و پرہیزگار ہو خواہ وہ امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، اور خواہ وہ
 کسی قوم، خاندان، رنگ، نسل اور وطن سے تعلق رکھتا ہو۔ شرف و فضیلت اسی
 کو حاصل ہوگا جس میں خدا خوفی و خدا ترسی یعنی تقویٰ موجود ہو۔ جیسا کہ ارشاد
 باری تعالیٰ ہے:

رَانَ أَكْرَمَكَ عِنْدَ اللَّهِ الْقَلْبُ
 (الحجرات)

خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ
 معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے
 آپ نے فرمایا تو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اس کی مزید تفسیر نبی کریم کے اس خطبہ
 سے ہوتی ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے: ہر
 ”کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی سیاہ کو سفید پر، کسی سفید کو
 سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور
 آدم منیٰ سے پیدا کیے گئے۔“

۳۔ جملہ عبادات کی اصل :- اسلام کی جملہ عبادات اور نیکیوں کا اگر جائزہ لیا جائے
 تو معلوم ہوگا کہ ان سب کی اصل غرض و غایت فقط تقویٰ ہے۔ چنانچہ خود باری تعالیٰ
 کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
 خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
 تَتَّقُونَ
 (البقرہ)

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت
 کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو
 پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ

اب اگر الگ الگ طور پر تمام عبادات پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح
 ہو جاتی ہے۔ مثلاً روزے کی فرضیت کا حکم جاری کرنے ہوئے فرمایا: ”لَا تَكُونُوا تَقْوٰی“

اللہ تعالیٰ فقط تقویٰ اختیار کرنے کی ہی تاکید نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ہی
برائی اور شر سے بچنے کا حکم بھی دیتا ہے جیسا کہ فرمایا۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ
رہنکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کیساتھ تعاون

۱۔ ارشادات نبوی :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی تقویٰ

پر ہمیزگاری اور خدا خوفی و خدائرسی کا مرفوع تھا۔ آپ بچپن ہی سے متقیانہ زندگی بسر
کی۔ آپ کے خطبوں کا اکثر موضوع تقویٰ ہوتا تھا۔ ہجرت کے بعد قبا کے مقام
پر آپ نے جو خطبہ دیا اس کا موضوع تقویٰ ہی تھا۔ آپ نے فرمایا: لوگو! میں تمہیں
تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جو بہترین ہدایت کر
سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور تقویٰ کا حکم دے۔ حدیث
شریف میں جمعہ کا جو پہلا ارشاد فرمایا اس کا مرکزی مضمون بھی تقویٰ تھا۔ آپ
نے فرمایا تقویٰ آبرو دلاتا ہے، خدا کی خوشنودی دلاتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے
فتح مکہ کے بعد آپ کی تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں
اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر ماسویٰ
تقویٰ کے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی لاکھوں سالوں سے آپ نے یہی کلمات
ارشاد فرمائے۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا پتھر تقویٰ ہی ہے۔

تقویٰ کے ثمرات و فوائد | تقویٰ کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں :-

۱۔ رضائے الہی :- تقویٰ سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

جیسا کہ فرمایا :-

(بیشک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے)

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

۲۔ نبوی کامیابی :- اللہ تعالیٰ متقیوں کے کاموں میں آسانی پیدا

فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا :-

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لیے
اس کا کام سہل کر دیتا کرتا ہے

۳۔ آخرت میں کامرانی :- اہل تقویٰ کو دنیا میں بہت ایشیا کرنا پڑتا ہے لہذا

انہیں آخرت میں دائمی اجر ملتا ہے۔ فرمایا :-

ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُتَّقِينَ

(اور عاقبت متقیوں کے لیے ہے)

(بیشک متقی باغوں اور چشموں میں ہونگے)

وَلَا يَأْتِيهِمْ فِيهَا تَعْيِينٌ

۴۔ صدق

صدق کے لغوی معنی سچائی اور راست گوئی کے ہیں اور جو شخص ہمیشہ
سچ بولتا ہے اسے "صدیق" کہا جاتا ہے۔ صدق کا تقاضا یہ ہے کہ انسان
کامل اور زبان ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔

اہمیت | صدق کی اہمیت مندرجہ ذیل دلائل سے واضح ہوتی ہے :-

۱۔ زندگی کا جو سہرا ہے صدق انسانی زندگی کا بہت اہم جوہر ہے۔ سچ بولنے کی عادت
انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے کیونکہ سچ بولنے والا ہر برائی سے بچنے کی
کوشش ضرور کرے گا۔ وہ ہمیشہ سچ بولے گا۔ ایماندار ہوگا، وعدہ ایفا کرے گا، دل
کا پاکہ و صاف ہوگا۔ ریاکار، منافق اور خوشامدی قطعاً نہیں ہوگا۔ سبب اس پر اعتماد
کریں گے اور اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ صدق بہت سی اخلاقی
خوبیوں کی بنیاد ہے۔

۲۔ صفتِ باری :- صدق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بھی ایک اہم صفت،

ہے۔ قرآن حکیم میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے :-

وَمِنْ أَمْثَلِ مِنَ اللَّهِ تَقْدِيرًا (النار: ۵)

اور جن سے زیادہ قول میں سچا ہے

ایک دوسری جگہ فرمایا :-

اور کون اللہ سے زیادہ بات میں سچا ہے

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا

سہ سہ سولوں کی صداقت :- صدق اللہ تعالیٰ کے سب نہیں کی بھی صفت :-

کیونکہ اگر انبیاء میں یہ صفت نہ ہو تو ان کی نبوت بے معنی ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا

(بیشک وہ بڑے سچے اور نبی تھے)

حضرت یوسف علیہ السلام کو یوں مخاطب فرمایا :-

یوسف! اے بڑے سچے

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ

ہم اسودہ شہر میں :- آنحضرتؐ نے خود دنیا کے سامنے مجسم صدق بن کر صداقت کا نمونہ

پیش کیا۔ ابو جہل جیسے دشمن اسلام نے بھی آپؐ کی صداقت کا اعتراف کیا اور کہا :-

محمدؐ کو جھوٹا نہیں کہتا مگر ان کا پیغام قبول کرنے کو جی نہیں چاہتا :- ابو سفیان نے بھی

روم کے سامنے آپؐ کی صداقت کی شہادت دی۔ نبوت سے قبل ہی لوگ آپؐ کو

صدیقؐ کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس میں چار عیب ہیں :-

۱۔ شراب پیتا ہے ۲۔ چوری کرتا ہے، بدکاری کا عادی ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ وہ آپؐ کا

کہنے پر ان میں سے کوئی ایک ترک کر سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جھوٹ نہ بولا کہ

اس نے اس پر عمل کیا اور عیب باقی عیب باری باری کرنے لگا تو اسے خیال آیا کہ

حضرتؐ نے پوچھا تو کیا جواب دوں گا اگر سچ بولا تو سزا ملے گی اور جھوٹ بولا تو

خلانی ہوگی۔ اس طرح اس نے چاروں عیب چھوڑ دیئے۔

۵۔ رسولوں کو حکم :- اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو صدق کا حکم دیا

فرمایا :-

فرماتے گا کہ تم سب جھوٹے ہو کیونکہ ان کے سب اعمال دنیاوی شہرت و ناموری کیلئے تھے ان میں دل کی سچائی شامل نہ تھی۔

عمل کی سچائی :- عمل کی سچائی یہ ہے کہ انسان کا ہر فعل اور عمل اس کے ضمیر کے مطابق ہو یعنی ظاہر اور باطن ایک ہو۔ قرآن حکیم میں ایسے ہی لوگوں کو مومن کہا

گیا ہے فرمایا اور
 رَأٰمًا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ
 وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ
 بِاَمْرِ اٰلِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ
 اَدْلٰثِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

مومن صرف وہی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے شک نہ کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں

(الحجرات: ۱۷)

ثمرات و فوائد | صدق کے بیشمار فائدے ہیں۔ سچ بولنے والا انسان صاف اور کھرا ہوتا ہے اور ہر ایک اس پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہوتا ہے اور اخروی الثامات سے نوازتا ہے۔

۳۔ امانت

مفہوم | امانت کا لفظ امن سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی اعتبار کے ہیں۔ اصطلاح میں امانت سے مراد کوئی شے حفاظت کے لیے یا ضمانتاً کسی کے سپرد کرنا ہے اور جس کے سپرد کی جائے اسے امانت کہتے ہیں۔

اہمیت | امانت کی اہمیت درج ذیل ہے۔

۱۔ معاشرے کی بقا۔ امانت ایک ایسا اخلاقی وصف ہے جس کا اپنانا ہر فرد کے

لیے ضروری ہے اور کسی معاشرے کی سالمیت اور استحکام کا سارا دار مدار اسی پر ہوتا ہے۔ معاشرے میں ایک دوسرے سے لیکن دین اور کاروبار تاگزیر امر ہے اور اکثر کاروبار اعتبار اور بھروسے پر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر افراد معاشرہ اس وصف سے خالی ہوں تو اس معاشرے کی بقا ممکن نہیں۔ احادیث میں قیامت کی جس قدر نشانیاں بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا سے امانت داری اٹھ جائے گی یعنی "امانت" نہ ہونے کی وجہ سے دنیا تباہ ہو جائے گی۔

۲۔ ارشادِ ربانی :- قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر امانت داری اختیار کرنے کی

تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوا
الْأَقْرَبَ إِلَىٰ أَهْلِيكُمْ (النساء: ۵۹)

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں

(مومن اپنی امانتوں کا اور اپنے وعدوں

کا خیال رکھتے ہیں۔ (المومنون: ۸۱)

ایک دوسرے مقام پر اسے مومنوں کی نعمت قرار دیا ہے۔

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ أَهْلَهُمْ وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ

أَهْلَهُمْ (المومنون: ۸۱)

بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کی

کتاب لکل پسند نہیں کرتا (

سورہ رسول :- "امانت" آنحضرتؐ کا امتیازی وصف تھا اور آپ کے دشمن

آپ کو "الامین" کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور اپنی قیمتی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے

تھے۔ چنانچہ ہجرت کے وقت آپ کے پاس کفار کی بہت سی امانتیں موجود تھیں جنہیں

واپس کرنے کا فریضہ حضرت علیؑ کو سونپا گیا۔

آنحضرتؐ کے پاس سب سے بڑی امانت پیغام ربانی تھی۔ انتہائی مشکلات و مصائب کے باوجود آپؐ نے یہ امانت لوگوں تک پہنچادی۔ چنانچہ آخری حج کے موقع پر صحابہ کرام نے اس کا اعتراف کیا۔

امانت کے بارے میں آنحضرتؐ کے متعدد ارشادات بھی کتب احادیث میں مروی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

لَا دِينَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ (جس شخص میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں) ایک دوسری حدیث میں فرمایا "مومن وہ ہے جس کی امانت میں لوگ اپنی زندگیاں اور اپنے اموال سونپ دیں۔"

شکرات و فوائد | امانت داری سے دنیاوی کاروبار خوش اسلوبی سے طے پانا ہے۔ معاشرہ کے ہر فرد کو سکون ملتا ہے۔ اور معاشرے کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خدا کی رضا اور اخروی انعامات بھی میسر آتے ہیں۔

۳۔ صبر

مفہوم | صبر کے لغوی معنی رکنا، سہارنا اور باندھنا ہیں۔ لیکن اصطلاح شریعت میں صبر سے مراد صیبت، سختی اور ایذا کے وقت استقلال و استقامت اور جرأت و ہمت اور ثبوت دینا اور اپنے نفس کو اضطراب و گھبراہٹ سے رکنا ہے۔ چنانچہ امام رابعؒ کے نزدیک صبر کا مفہوم یہ ہے کہ عقل و شرع کے مطابق انسان اپنے نفس کو ان امور سے باز رکھے جن سے روکنے کا شریعتی تقاضا کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صبر کا لفظ مختلف مطالب کے اظہار کیلئے استعمال ہوا ہے لیکن سب جگہ بنیادی مفہوم ایک ہی ہے یعنی استقلال و

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (۲) بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے
 ۳۔ سورہ انبیاء:۔ جملہ انبیائے کرام صبر کی صفت سے متصف تھے۔ ان پر بڑی
 سخت آزمائشیں آئیں لیکن ان کی زبانوں سے کبھی بھی شکایت کا لفظ نہ نکلا بلکہ نہایت
 خندہ پیشانی سے تمام مشکلات و مصائب کو برداشت کیا اور صبر ہی کی بدولت انہیں
 مقاصد و عزائم میں کامیاب ہوئے۔ دراصل جتنا بھی کوئی عظیم پیغمبر ہوا اسے اتنے
 ہی صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا۔

حضرت ابوب علیہ السلام اپنے مال و دولت بجاہ و حشمت اور اولاد سے محروم
 کر دیئے گئے حتیٰ کہ صحت جیسی نعمت بھی ان سے چھین گئی مگر زبان پر شکوہ تک نہ آیا
 بلکہ یہی کہا اے پروردگار! مجھے نقصان ضرور پہنچا ہے اور تو ہی سب رحم کرنے
 والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ابوب علیہ السلام
 کی مدح بیان فرمائی۔

إِنَّا وَجَدْنَا صَابِرًا (ص: ۴۲) بیشک ہم نے راویب کو صابر پایا۔
 حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا۔ وطن اور خاندان کو خیر باد کہنا پڑا حتیٰ کہ بیٹے
 کی قربانی طلب کی گئی لیکن قطعاً گھبراہٹ اور جزع و فزع کا اظہار نہیں کیا۔
 حضرت یعقوب کو جب خبر دی گئی کہ ان کے چہیتے بیٹے یوسف کو بھڑپٹے نے کھا
 لیا ہے تو آپ "صبر جمیل" کا اظہار کیا جس کی شہادت خود قرآن پاک نے دی ہے
 خود ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر پہلو صبر سے لبریز
 ہے۔ آپ نے یتیمی میں پرورش پائی۔ چالیس برس کی عمر میں منصب نبوت پر سرفراز
 ہوئے تو مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سوائے چند اصحاب کے جنہوں نے آپ کی آواز پر
 لبیک کہا سب دشمن ہو گئے۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، سر پر مٹی ڈالی
 گئی۔ طاقت شریف لے گئے تو پتھروں سے لہولہا کر دیا گیا۔ لیکن آپ نے

صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کسی کے لیے بددعا تک نہ کی۔ آپ کے خاندان والوں نے آپ سے سناشرفی مقاطعہ کیا اور شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہنا پڑا مگر زبان پر صرف شکایت نہ آیا۔ یہیں تک نہیں بلکہ آپ کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی۔ اور آپ انتہائی صبر و استقامت اور استقلال و پامردی سے مصروف عمل رہے۔ بالآخر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو شاندار کامیابی عطا کی۔

صبر کے ثمرات و فوائد [صبر کے بیشتر فوائد ہیں جن میں سے چند اہم یہ ہیں۔

۱۔ **مصائب کے لیے قوت برداشت** :- صبر سے انسان مشکلات و مصائب کا عادی ہو جاتا ہے تکلیف کا احساس نہیں رہتا اور انسان نامساعد حالات کا دل جمعی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

۲۔ **گناہوں کا کفارہ** :- صبر انسان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور صبر اختیار کرنے سے انسان کے پچھلے گناہ ختم کر دیئے جاتے ہیں اور اسی کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مؤمن پر جب بھی سختی یا بیماری یا پریشانی یا رنج یا تکلیف یا غم آئے یہاں تک کہ اسے کاٹنا بھی چھوے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کی کچھ خطائیں معاف کر دیتا ہے (بخاری و مسلم)

۳۔ **خدا تعالیٰ کی معیت و محبت** :- صبر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ صبر کرنے والا خدا تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و منزلت حاصل کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے باری تعالیٰ کی معیت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ **اجر بے حساب** :- اجر کے اعتبار سے کوئی بھی اخلاقی فضیلت

صبر کے ہم پتہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا اجر و ثواب عطا فرمائے۔
 بے حد و حساب عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔
 إِنَّمَا يُؤْتِي الصَّابِرِينَ أَجْرَهُمْ
 بِغَيْرِ حِسَابٍ
 صبر کرنے والوں کو ان اجر بے ر
 دیا جائے گا

۵۔ تحمل

مفہوم تحمل کا لفظ "حمل" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "اٹھانا" ہیں۔
 تحمل کے لغوی معنی اٹھانا، برداشت کرنا، حلم و بردباری کا
 مظاہرہ کرنا ہے۔ اصطلاح شریعت میں تحمل کا مفہوم یہ ہے کہ مخالفت، تکلیف
 اور ناگوار بات کو صبر و حوصلہ سے بخوشی برداشت کرنا اور قدرت کے باوجود انتقام
 نہ لینا ہے۔ غصہ سے مغلوب ہو کر یا جذبات سے مشتعل ہو کر جلد بازی نہ لینا اور
 زیادتی کرنے والے شخص کو نہایت فراخ دلی اور عالیٰ وصلگی سے معاف کر دینا
 اور اس سے نرمی و بردباری اور تواضع و خندہ پیشانی سے پیش آنا ہے۔
 اصل تحمل اور حلم دونوں ہم معنی اور ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔

تحمل کی اہمیت | اسلام میں تحمل کی اہمیت کے مندرجہ ذیل پہلو ہیں۔

۱۔ معاشرہ میں قیام امن کا باعث ہے۔ انسان کو اپنی روزمرہ زندگی میں
 سینکڑوں افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ملتے ہیں جو اس کی طبیعت
 اور مزاج کے مطابق ہوتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا مزاج اس
 سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ وہ اس کی طبیعت کے خلاف باتیں کر دیتے ہیں جو اس
 کے لیے ناگوار ہوتی ہیں۔ اس اختلاف طبیعت سے بگاڑ اور انتشار پیدا ہوتے

کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ایسے حالات ہیں جو چیز اس انتشار کو روک سکتی ہے اور معاشرہ میں امن و سکون برقرار رکھ سکتی ہے وہ صفت تحمل ہے۔ اگر انسان میں یہ صفت موجود ہو تو وہ اپنے مخالفین کو برداشت کر سکتا ہے ان کی باتیں سن کر ان کا مدلل جواب دے سکتا ہے اور جہاں دوسرا فریق بات سننے پر آمادہ نہ ہو اس کی ناگوار باتیں سن کر نظر انداز کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تحمل انسان کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں برداشت و بردباری کا سبق دیتا ہے۔ اور اگر افراد معاشرہ میں یہ حقیقت موجود نہ ہو تو ایسے معاشرہ میں کبھی امن و سکون پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ ہر وقت لگاتار اور خرابی پیدا ہوتی رہے۔ اسی طرح انفرادی زندگی میں بھی صرف وہی شخص کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتا ہے جس میں تحمل کی صفت موجود ہو کیونکہ وہ اس صفت کی بدولت ہر ناگوار اور گراں بات کو برداشت کرتا ہوا آگے بڑھنا چلا جائے گا۔ لہذا ایک خوشگوار معاشرتی زندگی کے قیام کے لیے تحمل ایک لازمی عنصر ہے۔

۲۔ صفت الہی :- تحمل اللہ تعالیٰ کی بیشمار صفات میں سے ایک ہے اور اس کے صفاتی ناموں میں ایک نام حلیم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے اور اپنے بندوں پر بردباری کرتا ہے اور یہی صفت اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حلیم نہ ہو اور ہر بات پر یکسر کرنے لگے تو کوئی بھی شخص اس کے کذاب سے نہیں بچ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کما حقہ پابندی کرنا اور کلی طور پر اس کی منشاء و رضاء کے مطابق زندگی بسر کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ انسان سے روزانہ سینکڑوں خطائیں اور گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں جس کا ایسے خود بھی علم نہیں ہوتا۔ مگر خدا تعالیٰ

اپنی صفت "حَلِيمٌ" کی بنا پر بندوں سے درگزر کرتا رہتا ہے۔ اور انہیں اصلاح کا موقع دیتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا متعدد بار اعلان ہوا ہے۔ فرمایا:

وَاللَّهُ غَفِيرٌ حَلِيمٌ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ

اللہ تعالیٰ بخیر نازل و تحمل والا ہے (البقرہ: ۱۷۰)
اللہ جاننے والا تحمل والا ہے (النساء: ۳)

ان آیات میں اللہ کی صفت حلیمی کے ساتھ دوسری صفات ربانی خصوصاً صفت مغفرت کا بھی ذکر ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا حلم (معاذ اللہ) کسی مجبوری یا لاچارگی کے باعث نہیں بلکہ اس کی شانِ عقاری کا نتیجہ ہے۔

۳۔ صفت انبیاء: تمام انبیاء جو بنی لوزع الشان کی ہدایت و رہبری کے لیے وقتاً فوقتاً اس دنیا میں آئے رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی صفت تحمل سے مزین کیا۔ قرآن پاک میں متعدد انبیاء کی اس صفت کا ذکر ہوا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ جنہوں نے راہ حق میں پیشمار مصیبتیں برداشت کیں مگر وہ نے آپ کو دکھتی آگ میں ڈالا، جلا وطن کئے گئے۔ اپنی بیوی اور بیٹے کو بے آب و گیاہ ریگستان میں چھوڑا۔ پھر اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ آپ نے ساری آزمائشیں نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور تحمل و بردباری کا اظہار کیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ
وَبَشِيكٌ اِبْرَاهِيمُ بَطْرَسَ نُرْمِ دَلٍ اَوْر
التوسیۃ: ۱۱۱) تحمل والے تھے

حضرت اسماعیل جو راہ خدا میں قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

قرآن حکیم ان کے بارے میں کہتا ہے۔

وَبَشَرْنَا هَا بَعْلَامٍ حَلِيمٍ وَالصَّفَاتُ: ۱۱۱) وہم نے ابراہیم کو ایک حلیم بیٹے (اسماعیل) کی خوشخبری دی۔

حضرت موسیٰ کو بھی فرعون کے مقابلہ پر بڑی آزمائشوں اور تکلیفوں سے گزرنا پڑا۔ آپ کی قوم بھی آپ کو بہت ستاتی رہی مگر آپ نے ہمیشہ تحمل و بردباری کا ثبوت دیا۔ حضرت عیسیٰ کو یہود کے ہاتھوں بڑی پریشائیاں اٹھانی پڑیں حتیٰ کہ آپ کو سولی پر چڑھایا گیا۔ مگر آپ نے ہر موقع پر تحمل و بردباری کا اظہار کیا۔

۴۔ اسوہ رسول :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے اس لیے آپ مجسمہ تحمل تھے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ ایسے واقعات سے بھرپور ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا بلکہ اپنے جانی دشمنوں تک کو معاف کر دیا۔ بعثت کے بعد جب آپ نے تبلیغ اسلام کا آغاز کیا تو کفار و مشرکین مکہ نے آپ کی سخت مخالفت کی۔ آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ راستے میں کانٹے بچھائے اور آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکا۔ آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔ شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہے۔ مگر آپ نہایت تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ فتح مکہ کے موقع پر جب ان پر غلبہ حاصل ہوا تو عقود عام کا اعلان کیا۔ مخالف کی طرف گئے تو وہاں کے غنڈہوں نے پتھر برسایا مگر آپ کو اہولہیاں کیا۔ مگر آپ نے ان کے لیے بارگاہ تک نہ کی بلکہ عدیم المثال نیکوں کا مظاہرہ کیا۔

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچے تو یہود نے آپ کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا۔ دوسری طرف منافقین طرح طرح سے زیادتیاں کرتے رہے۔ مگر حضور نہایت تحمل سے سب کچھ برداشت کرتے رہے اور یہود پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود انتقام نہ لیا۔ غزوات کے موقعوں پر بھی آپ ہمیشہ عورتوں بچوں بوڑھوں، پیاروں اور مجذوروں سے انتہائی تحمل سے پیش آتے تھے۔

قبیلہ یوں سے بھی آپ علم و بردباری کا سلوک کرتے تھے۔

انفرادی زندگی میں آپ کے تحمل کی مثالیں لاتعداد ہیں۔ عبدالعزیز اپنی جو منافقین کا سردار تھا اور آپ کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتا رہا آپ نے اس سے ہمیشہ تحمل و درگزر سے کام لیا، وہ ششی جس نے عمرو اہد میں آپ کے چچا حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اور ابو سفیان کی بیوی ہندہ جس نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا آپ نے غمہ حاصل کرنے پر ان سے تحمل و درگزر کا سلوک کیا۔

۵۔ ارشادات نبوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل کی عملی مثال پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ آپ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

(۱) فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت کے روز اس کے درجات بلند ہوں تو جو اس سے ظلم کرتا ہے اس کو معاف کر دے، جو اس سے بخل کرتا ہے اس سے سخاوت کرے، جو اس سے تعلق توڑتا ہے اس سے تعلق جوڑے اور جو اس سے ضد کرتا ہے اس سے علم و بردباری کا سلوک کرے۔

(۲) قبیلہ عبد القیس کے سردار سے فرمایا کہ تجھ میں دو خصالتیں ہیں جنہیں خدا اور اس کا رسول محبوب رکھتے ہیں۔ ایک علم یعنی بردباری اور دوسرے رفق یعنی آہستگی۔

(۳) ایک مرتبہ صحابہؓ سے فرمایا کہ اللہ کے ہاں بلندی تلاش کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ بلندی کیا ہے؟ فرمایا جو تم سے رشتہ قطع کرے تو تم اس سے بڑو جو عہد رکھے تو تم اسے دوا اور جو نادانی کا رویہ اختیار کرے تو تم اس سے تحمل سے پیش آؤ۔

(۴) ایک شخص کی نصیحت کی بار بار درخواست پر آپ نے ہر مرتبہ فرمایا کہ غصہ

نہ کر اور اگر عرصہ آجھی جائے تو اسے برداشت کر۔

۱۰۔ فرمایا جو شخص قدرت کے باوجود غصہ کو برداشت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے تیار کرے
کے روز سامنے بلا کر اعلیٰ درجہ کا انعام عطا فرمائے گا۔

ثمرات و فوائد | تحمل کے مندرجہ ذیل فوائد و ثمرات ہیں:

- ۱۔ معاشرتی زندگی میں سکون: تحمل کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ انسان کی گھریلو اور معاشرتی زندگی پر سکون اور خوشگوار بن جاتی ہے۔ معاشرے میں مستحکم بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور افراد معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہونے میں دشمن و حسرت بن جاتے ہیں اور ایک خوشگوار معاشرہ جنم لیتا ہے۔
- ۲۔ دنیوی کامیابی: تحمل سے انسان مشکلات و مصائب کا خوگر نہ ہوتا ہے اور وہ آگوار و نامساعد حالات سے گذر کر ترقی و کامیابی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ انسان میں عالی جوہر، بلند سمی اور حلیمی و برداشت پسندی اعلیٰ نعمات پیدا ہوتی ہیں۔ اور زندگی کی کامرانیوں اس کے قائم ہونے کا ثمر ہیں۔
- ۳۔ اخروی کامیابی: تحمل سے خدا اور رسول کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے جو ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس طرح تحمل انسان خدا کی رضا حاصل کر کے اخروی نعمات اور جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔

۴۔ عفو

عفو کے معنی معاف کرنا اور گذر کرنا نظر انداز کرنا اور انتقام نہ لینا ہے۔ مقبول ترین مجید میں اسے مغفرت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کا بندے کے گناہ کی پردہ پوشی کرنا اور بخش دینا عفو کہلاتا ہے۔ مشریت کی اصطلاح

عقوبت مراد سے کہ دوسروں کی نغز نشی، زیادتی اور برائی کے بدلے میں قدرتی
قدیر کو کھینے کے بعد پورا انتقام لینا اور درگزر کرتے ہوئے معاف کر دینا ہے۔

عقوبت کا ہمیشہ عفو کی اہمیت کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں

معاشرہ کا امن و استحکام اور عفو و بخشش کے اس انتقام کا خاص مزہ

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ معاشرہ ایک اور اہمیت اور اہمیت کے جذباتی عنصر معاشرہ کی بنیاد
اور جان بوجھ سے نہیں بلکہ انسان خطا کا پیدا ہوتا ہے ہر انسان سے غلطیاں سرزد ہوتی
ہیں اور کون ہے جو خصلتوں سے مبرا ہے؟ اسی لیے اگر ایک انسان دوسرے انسان
کی غلطی اور نغز نشیوں سے چشم پوشی نہ کرے اور ہر چھوٹی بڑی غلطی پر انتقام لینے
کے دوسے ہو تو انتقام در انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے اور تمام
دنیا کا امن و سکون ختم ہو کر فتنہ و فساد پھیل جائے۔ اسلام کے معنی امن کا ہیں
سے امن لینے دین اسلام اپنے پیروکاروں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ باہم عفو و
درگزر سے کام لیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو
معاف کر دینا تمہارے باہمی کینے دور ہو جائیں گے۔

عفو و بخشش الہی سے ہے۔ عفو و بخشش الہی کی خصوصیت اور امتیازی صفت

یہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے لیے اختیار کرنے کی بار بار تاکید فرماتی ہے اللہ تعالیٰ کے
نامہ الٰہی خافذہ بخشنے والا بخفورہ بخشنے والا اور عفو و بخشش کرنے والا کا قرآن حکیم
میں ستر جہ زائد مقامات میں ذکر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ بار بار مختلف انداز میں
اپنی عفو و بخشش کا اعلان فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ بِالْحَمْدِ وَالْحَمْدِ لِلَّهِ تَعَالَىٰ
اور اللہ تعالیٰ عفو و بخشش کرنے والا ہے۔

۴۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی برائیوں سے ہرگز غفلت نہ کرتا ہے اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے
 وَأَذْرُ وَيُغْفِرُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ
 اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے
 سچے اور برائیوں کو موات کرتا ہے

۵۔ سورہ رسول میں منسوخ فرمایا گیا ہے
 عفو و بردباری کا اعلیٰ نمونہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے حبیب کیسے پاکر اس امر
 کی تلقین کی، فرمایا

هَذَا عَفْوٌ وَأَمْرٌ لِمَعْرُوفٍ وَأَعْرَضَ عَنِ الْبَاهِلِينَ (اعراب ۲۰)
 اسے اپنی اہم عفو کو اپنا پیارے اور نیکی کا حکم
 دیکھتے تھے بنا ہول سے کفارہ کشتی اختیار کیجئے

وَأَعْفُفٌ عَنْهُمْ وَأَسْتَعْفِرُ لَهُمْ
 دیکھتے تھے لوگوں سے درگزر کیجئے اور ان
 کے لیے بخشش مانگیے

ان آیات مبارکہ میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کو دنیاوی
 حق میں جاہل گنواروں سے واسطہ نہ رہے گا۔ اسی لیے آپؐ کو ان لوگوں کی جہالت
 اور گنواروں سے درگزر کرنے ہوئے انہیں نیکی کی تلقین کرنا جوگی چنانچہ آپؐ نے
 اپنی زندگی سے اس کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔

جب آنحضرتؐ نے اپنے مشن کا آغاز کیا اور لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا
 تو مشرکین نے نہایت پر شد پر نظام ڈھائے اور آپؐ کو طرح طرح کی دہشتیں دیں لیکن
 رحمت و درو عالم نے نہ صرف دشمنان اسلام کے لیے بددعا کرنے سے احتراز کیا بلکہ کمال
 عفو و بردباری ہیں ان کی بددعا و فلاح کی دعا فرمائی ہے
 یعنی زندگی میں پیسہ و دولت کے فدا میں بہت سازشیں کیں اور بار بار آپؐ
 کو مسافراتی قتل کرنے کے ناپاک منصوبے بنائے یہودی قبیلہ بنو شیبہ نے آپؐ پر

گرا کر شہید کرنے کی سازش کی، اور عیسائیوں کی ایک بیوی نے اسے کھکھانے میں زہر
 ملا دیا، لیکن آپؐ پر بار بار نہیں معاف کرتے تھے اور صرف اس وقت انہیں
 فرار و اقلیٰ نہ رہیں دیں جب ان کی ریشہ و ذاتیاں حد سے بڑھ گئیں اور پانی سر سے گز گیا
 آپؐ کا ہل ایک تلخ کی حیثیت سے داخل ہوتے اور آپؐ کو پتے جانی اور دیرینہ
 دشمنوں اور مخالفین اسلام پر کھلی غلبہ حاصل ہوا۔ دنیا کا کوئی قانونی کوئی قابضہ اخلاق
 آپؐ کے لوگوں سے اپنی ازیتوں اور تکلیفوں کا پورا پورا بدلہ لینے سے مانع نہیں تھا
 آپؐ نے تمام معافی کا اعلان کر دیا اور فرمایا۔

لا تظنوا انکم امنتم بحدی اللہ لا تظنوا
 جاؤ تم آزاد ہو آج کے دن تم پر کوئی سزا نہیں
 نہیں مانتے تو جالی تمہیں معاف کرے۔

آپؐ کی ذاتی زندگی میں حضورؐ در گذر کی مثالیں ہیشمار ہیں لیکن ایک واقعہ کا
 تذکرہ ضروری ہے ایک مرتبہ آپؐ اپنی تلوارِ دروغت پر لٹکائے وہیں سو رہے تھے
 کہ ایک باقر آیا تلوارِ مسوت کر آپؐ کو جگایا اور کہنے لگا "اے محمدؐ بتاؤ اب میرے ہاتھ
 سے آپؐ کو کون بچائے گا؟" آپؐ نے بلا خوف فرمایا "اللہ" یہ سنتے ہی تلوار اس کافر کے
 ہاتھ سے گر پڑی۔ آنحضرتؐ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا "بتاؤ اب مجھے کون بچائے گا؟"
 وہ میراں رہ گیا تاہم آپؐ نے اس سے انتقام نہ لیا اور معاف کر دیا۔

ہم۔ ارتقا حات نبوی: آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خود ہی غلو
 پر عمل کیا بلکہ صحابہ کرامؓ کو اس کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور اپنی امت کو
 اس کی خاص ترغیب دی ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کو گزرنے والوں کی عزت میں اضافہ کرتا ہے (صحیح بخاری)
 ۲۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا "پسوان وہ نہیں جو کہ سہولت کو بچھاؤ دے بلکہ
 وہ ہے جو غلظت کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔" (مسلم)

ہو۔ ایک شخص نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کا قصور کشی و توبہ معاف کروں۔ آپ نے فرمایا ہر روز ستر مرتبہ (تندہی)

ہم فرمایا مجھے میرے رب نے فریادوں کا خاص طور سے حکم دیا ہے اور ان میں ہر ایک بات آپ نے یہ فرمائی کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و باغی کرے میں اس کو معاف کر دیا کروں۔ (صحیح بخاری)

۵۔ صفت مومنین۔ تمہارا تعالیٰ خود اپنے بندوں کی خطائیں معاف کرتا ہے۔ لغزشوں سے درگزر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے ہمسے بھی آپس میں غور و گزر سے کام لیں چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا۔

فَاعْفُوا وَارْحَمُوا (۱۲۹/۱۲) یعنی معاف کرو دنیا کو اور اللہ کو گناہ کرنے والا کرو

بیکہ اللہ سے تمام برکتیں آتی ہیں۔

قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَسْرُورًا (الحاشیہ) اللہ جو عیب کرتا اور معاف کر دے تو یہ
لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ آيَاتُ اللَّهِ (الحاشیہ) جسے ہمت نہ ہو گا اس میں سے ہے

خدا تعالیٰ نے غفور و رحیم اختیار کرنے والے کی بہت تعریف فرمائی ہے۔
وَلَمْ يَسْرِفْ غَمْرًا أَنْ ذَلَّتْ نَفْسُهُ
عَلَىٰ كُفْرٍ أَهْوَىٰ

غفور کے شراکت و فراموشی۔ غفور و رحیم کی بہت تعریف فرمائی ہے۔

ادنیٰ شریعت کی سالمیت۔ اللہ تعالیٰ نے شراکت کی سببیت اور استقامت پر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے امن سکون بنا رہتا ہے۔ ہر ایسی شے جو اللہ اور اس کے رسول کی نصیحت پر عمل کرے اور اپنی نیتوں سے ان کی نصیحت پر عمل کرے اور اپنی نیتوں سے ان کی نصیحت پر عمل کرے۔

۱۰۰۔ اشاعت اور شاعت۔ اصطلاح کی اشاعت اور شاعت میں عموماً کوئی امتیاز نہیں ہے۔
 اصطلاح کی اشاعت اور شاعت میں عموماً کوئی امتیاز نہیں ہے۔
 اصطلاح کی اشاعت اور شاعت میں عموماً کوئی امتیاز نہیں ہے۔

۱۰۱۔ عفو و مغفرت۔ عفو و مغفرت خدا تعالیٰ کی پسندیدہ صفات
 ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس صفت کے اپنا سزا والوں کو بھی محبوب و مہربان ہے۔
 عفو و مغفرت خدا تعالیٰ کی پسندیدہ صفات ہیں۔

عقل

عقل کے لغوی معنی سیدھا کرنا، برابر تقسیم کرنا، مساوات قائم کرنا
 اور توازن و تناسب پیدا کرنا ہیں۔ تقویٰ حکیم میں عقل کے لیے لفظ عقل
 بھی استعمال ہوا ہے جس کے معنی انصاف اور برابری کے ہیں۔ لیکن اصطلاح
 شرعی میں عقل سے مراد ہر چیز کو اس کے صحیح موقع و محل میں رکھنا اور
 ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنا ہے۔ چنانچہ حضرت داتا گنج
 بخش علی حویریؒ عقل کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

دیکھو کسی چیز کو اس کے صحیح موقع و محل میں رکھنا عقل ہے اور اس کی
 خدا علم ہے جس کے معنی کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا ہے جہاں کے لائق نہ ہو۔
 اس لیے عقل سے اچھائی یا برائی دونوں کا برابر کا بدلہ عقل
 کہلاتا ہے۔ لیکن اچھائی کا زیادہ بدلہ احسان، برائی کا زیادہ بدلہ
 عقاب ہے۔

دو کیفیتیں عقل سے مراد زندگی کے تمام شعبوں، انفرادی و اجتماعی زندگی

معاشی، عدالتی و سیاسی وغیرہ میں حقوق کی متوازن اور متناسیب تقسیم ہونے سے
 عدل کی اہمیت کو متوازن ذیلی متنوعات کے تحت واضح کیا جاتا ہے۔

وہ تقاضائے فطرت ہے۔ عدل فطرت کا تقاضا ہے اور کائنات کا سارا
 نظام اسی پر قائم ہے۔ کارخانہ کارخانہ کے تمام اجزاء متوازن و متناسب
 ہیں اگر ان میں فردا سبھی عدم توازن پیدا ہو جائے تو نظام عالم برباد ہو جاتا ہے
 ہو جائے۔ مثلاً نظام شمسی عدل کے اصول پر قائم ہے۔ ہر ایک سیارے کی اپنی
 اپنے دائروں میں خاص رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ اگر ایک سیارہ دوسرے
 کے دائرہ عمل میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو سارا نظام دہم چمک پڑتا ہے
 جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی جسم بھی عدل ہی کا سرہون منت ہے۔ کیونکہ عجیب
 انسانی اعضاء و قوی میں توازن و تناسب نہیں رہتا تو صحت بگڑ جاتی ہے
 اور انسان بیمار ہو جاتا ہے۔

دنیائے عدل کا مقصد انسان کو افراط و تفریط سے بچا کر زندگی میں
 صحیح و معتدل رہنے پر گامزن کرنا ہے۔ عدل کی اہمیت کا اندازہ اس امر
 سے بھی لگا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے دین پر چلنے والوں کو رہنمائی
 و عطا فرمائی یعنی اعتدال کی بہت تکرار فرمائی ہے۔

تو قرآن پاک میں تاکید ہے۔ عدل سب سے پہلے نور خدا تعالیٰ کی رحمت
 ہے۔ اس کے اسماء الحسنیٰ میں ایک نام عدل بھی ہے۔ اس لئے خدا
 تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی عدل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا
 اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالْعَدْلِ
 کَالْاِحْسَانِ
 بیشک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان
 کا حکم دیتا ہے۔

عدل صرف انتظام سلطنت کے لیے ہی درکار نہیں بلکہ زندگی کے ہر
 شعبہ میں اس کا اختیار کرنا لازمی ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں زندگی کے ہر
 پہلو میں اسے اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔
 ۳۔ اسوہ رسولؐ: خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل کا اختیار
 کرنے کی تاکید کی ہے جیسا کہ فرمایا:

وَأَوْفُوا بِالْعُقُوبِ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ
 لِرَبِّكُمْ كَافِرِينَ

و ترجمہ: (پھر) تم اپنے وعدوں کو پورا کرو۔ تم اپنے رب کے
 خلاف ہو رہے ہو۔ (مائدہ: ۱)۔
 جیسا کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں
 جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس ارشاد خداوندی کے
 پیش نظر امیر عرب عمر بن خطابؓ اور مسلمانوں کا شر کسی قسم کا امتیاز
 نہیں رکھا۔ بلکہ ہر شخص کو اس کا صحیح حق دلایا۔

آپؐ نے منصب بلوغت پر فائز ہونے کے لیے ہی یہ صفت اختیار
 کرنے کی بلکہ اتنی سی آیت پر کہ عدل وانصاف تھے اور آپؐ کے دعووں
 کو چھوڑ کر مشرکیت کے عمل پر اختیار کیا۔ چنانچہ مشرکین نے کہہ اپنے جھگڑے
 آپؐ کے پاس فیصلہ کے لیے لاتے تھے۔ خانہ کعبہ کی امیرتوں میں حجر امود
 کے نصب کرنے پر قبائل قریش میں نزاع پیدا ہو رہی تھی کہ آپؐ کی
 سرپرستی میں رکھیں۔ بالآخر معاہدہ آپؐ کے پاس لایا گیا اور آپؐ نے نہایت
 نرمی اور مہربانی سے یہ جھگڑا حل کر دیا۔

آپؐ کی سیرت مطہرہ میں عدل وانصاف کی سبکدوشیوں مثالیں ملتی
 ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:۔
 ایک مرتبہ نبیؐ مخزوم کے ایک معزز گھرانے کی نالی لٹائی ایک عورت نے چوری
 کی مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ قریش

نے محسوس کیا کہ اگر اس عورت کو سزا مل گئی تو ان پر حرف آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے آیت کے علاوہ زیادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے سفارش کرائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو اسامہؓ سے سخت تمنا ہوئی اور فرمایا تم سے قبل بنی اسرائیل اسی وجہ سے برباد ہوئے کہ وہ بارہ سوخ آدمیوں کے معاملات میں نرمی برتتے تھے اور غرباء کے معاملوں میں سختی کر کے انہیں سزا دیتے تھے۔ پھر آیت نے فرمایا خدا کی قسم! اگر میری ایسی بیٹی غافلہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا۔ چنانچہ آیت سے حکم کے مطابق اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں بھی قیام عدل پر بہت زور دیا ہے۔ آیت نے فرمایا کہ قیامت کے دن امام عادل پر خدا کا سایہ ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن امام عادل کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ نیز آیت کا یہ بھی ارشاد ہے کہ حاکم عادل کی دعا قبول ہوتی ہے۔

ایک موقع پر آیت نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ رضا اور ناراضگی دونوں حالتوں میں کلمہ عدل کہوں۔ ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ انبوی میں دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے قسرو غنا دونوں حالتوں میں اعتدال عطا کر۔

ثمرات و فوائد عدل کے مستند جہ و قبل ثمرات و فوائد ہیں۔

۱۔ استیقام معاشرہ :- عدل کا سب سے بڑا نائدہ یہ ہے کہ اس سے معاشرہ کے کو استیقام حاصل ہوتا ہے۔ حقدار کو اس کا حق مل جاتا ہے اور وہ ظلمتوں میں نہ رہتا ہے۔ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا مل جاتی ہے اور آئندہ وہ کسی پر ظلم کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ایک صحیحہ مستند معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

بہا چہرہ آفتوت بہ عدل ایک بہت بڑی اخلاقی فضیلت ہے جس کا آخر میں بہت بڑا ثمر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقام حاصل ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے گھر والوں میں یا ان میں جن کی حکومت ان کے ذمہ کی گئی ہے انصاف کرتے ہیں وہ خدا کے پاس اور کے بیٹا بنیں گے (ریاض العالیین) ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ نیامت کے دن ہر ایک کا عمل پر خدا کا سایہ ہوگا۔

۱۔ احسان

مفہوم احسان کا مادہ احسن ہے جس کے معنی کسی کام کو خوبی دینا ہے۔ احسان کا انجام و نیا ہے۔ قرآن مجید میں احسان کے لیے حسنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی نیکی اور بھلائی کہے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں احسان سے مراد وہ عمل ہے جو اس خوبی اور نیکائی سے انجام دیا جائے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کو محبوب ہو۔

احسان دراصل ہر اس نیکی کو کہتے ہیں جسے خوب تر طریقہ پر انجام دیا گیا ہو مثلاً دوسروں سے عمدہ سلوک کرنا، مروت و خوش خلقی سے پیش آنا، انعام و اکرام دینا، فیاضی و سخاوت کا بٹنا اور کرنا، دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کم لینا سب احسان میں شامل ہیں۔ اسلام جہاں یہ تقاضا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نیکی کی جائے وہاں یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر نیکی خوب تر طریقہ پر کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر آپ نے ہر عمل کے بارے میں یہ سمجھ لیا کہ یہ خیر ہی ہے مقصد ہے کہ انسان ہر نیکی کا ہر ایک کو اپنی استطاعت کے مطابق زیادہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر انجام دے تاکہ خدا کا شکر ادا ہو۔

حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اقوالہا یا موی بالعدل والاحسان (اعمل ۱۱) بیشک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کو نیک حکم دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے اسما و الحسنى میں ایک نام محسن بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ سے بڑھ کر

کوئی محسن ہو سکتا ہے؟ جنس کے بنی نوع انسان پر اسائنات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں

کیا جا سکتا۔ زمین سے آسمان تک اور فرش سے عرش تک جو کچھ بھی ہے سب اسی کے احسانات کا

نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ خود اپنی مثال دے کر نیک و نیکو آپس میں احسان کو نیک حکم دیتا ہے جیسا کہ فرمایا

و احسن کما احسن اللہ الیک (القصص ۷۵) اور احسان کر جیسا کہ خدا نے تجھ پر احسان کیا۔

آنحضرت کا قول و عمل :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ احسان کا کامل نمونہ تھی

آپ نے نہ صرف اپنوں سے بلکہ دشمنوں سے بھی ہمیشہ احسان کا سلوک کیا۔

غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے قیدی آپ کے ہاتھ آئے۔ ان سے بڑھ کر آپ کا اودھ کوئی

دشمن نہ تھا۔ اذیاد اور دیکھ صحابہ کرام نے ان کے قتل کا مشورہ دیا۔ آپ نے نہ صرف انہیں رہا

کر دیا بلکہ جتنی دیر یہ لوگ حضور کی قید میں رہے آپ نے ان سے ہمواروں کی طرح سلوک

کیا اور ان کے آرام و آسائش کا ہر طرح خیال رکھا۔

ابوسفیانؓ جو قبول اسلام سے پندرہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے فتح مکہ کے موقع

پہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ یہ بھی اعلان فرمایا کہ جو شخص بھی

ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا وہ بھی امن میں ہوگا۔ اس کے علاوہ ابوسفیان اللہ اس

کے بیٹوں کو ہوائی کے مال عنیت میں سب سے زیادہ حصہ دیا۔

ایک اور ایک بدو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ کی چادر کو اپنے

زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا پھر بولا اللہ اعلم ایاک مال جو آپ کے پاس

ہے اس میں سے ایک بارستر مجھ بھی دینے۔ آپ نے کچھ دیر نا اعلیٰ کیا پھر فرمایا مال بیشک

اللہ کا ہے پھر فرمایا کہ اتے ایک اونٹ پر کھجوریں اور ایک پر جو دیئے جائیں۔

احسان کے ثمرات و فوائد | احسان کے مندرجہ ذیل ثمرات و فوائد ہیں۔

۱۔ تعمیر معاشرہ :- احسان سے افراد معاشرہ میں باہمی خلوص و محبت، الفت و یگانگت

اور اثرات و بچاؤ کی نصاب پران چلتی ہے۔ اس کے کینے، تنازعے، دشمنی اور حسد

ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کیلئے نیک و قربانی اور عمدی و جان نثاری کے جذبات پیدا

ہوتے ہیں۔ دشمن دوست بن جاتے ہیں اور معاشرہ ترقی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

۲۔ خدایا کی رضا و رحمت :- خدا تعالیٰ خود بخوبی تحقیقی ہے۔ اس لیے وہ احسان کرنے والوں کو

محبوب رکھتا ہے ان پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور انہیں مزید نعمتوں کا مالک کرتا ہے جیسا کہ قرآن پاک

میں ارشاد ہے :- **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** (القرآن ۱۹) بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

۳۔ اجر آخرت :- احسان کرنے والوں کو آخرت میں بہت بڑا اجر ملے گا جیسا کہ ارشاد باری ہے

لَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ وَأَقْرَبُوا أَجْرًا عَظِيمًا۔ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے احسان کیا اللہ تعالیٰ اختیار کیا

اجر عظیم ہے۔

۹۔ خدمت خلق

مفہوم | خدمت خلق کے معنی مخلوق باری تعالیٰ کے کام آنا ہے لیکن اصطلاح میں اس سے

مراد خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے بغیر کسی اجرت، صلہ یا معاوضہ

اس کی مخلوق کے کام آنا اور امداد و اعانت کرنا ہے۔

خدمت خلق کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ اس میں اپنے پرلے مسلم غیر مسلم سب شامل ہیں

حتیٰ کہ جانوروں سے شفقت کا سلوک کرنا بھی خدمت خلق میں شامل ہے۔ الغرض تمام وہ امور

جن سے انفرادی یا اجتماعی لحاظ سے قوم و ملت کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور روحانی

تندرستی میں مدد مل سکے خدمت خلق میں شامل ہیں۔

اہمیت | خدمت خلق کی اہمیت کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت واضح کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ معاشرتی فلاح و کامرانی :- خدمت خلق کا جذبہ معاشرے کی بہتر بنانے

بھی ہے کیونکہ میں جذبہ کبھی قوم کی کامرانی دیکھتا ہوں۔ اگر کسی قوم کے افراد میں خدمت خلق کا جذبہ سرایت کر جائے، ہر شخص نفسا نفسی کہہ عالم میں ہو اور لوگ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک نہ ہوں تو کمزور دنیا دار اور غریب و مفلس قوم توڑنے لگیں اور پوری قوم تباہی و بربادی کی طرف گامزن ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام خدمت خلق کو ایک مفید و یقینیت سے پیش کرتا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکے اور امت مسلمہ دنیا کی بہترین امت قرار پائے۔

۲۔ قرآن مجید میں تلقین۔ قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے خدمت خلق

کی ترغیب کی گئی ہے۔ ایک مقام پر نیک لوگوں کا وصف خدمت ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔
 وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا
 وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (۱۹: ۲۶)
 اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر خدمت خلق کی ایک صورت ہے اتفاق فی سبیل اللہ کی یوں ترغیب دی گئی
 مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
 فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَمْ لَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ
 اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے
 اور یہ اس کیلئے کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا
 اور اس کے لیے پسندیدہ اجر ہے۔ (المائدہ: ۱۱)

قرآن پاک میں جاہل لوگوں میں اصلاح کرانے کی بھی تلقین کی گئی ہے جس سے خدمت خلق کی اہمیت و فضیلت واضح ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

وَلْيَصِلُوا إِلَى النَّاسِ
 اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو۔

۳۔ امثال نبوی۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کی تمام زندگی خدمت خلق کا بہترین نمونہ

ہے۔ نبی زین النساء کی ہمدردی و خیر خواہی آپؐ کی فطرت تھی اور ہر واقعہ و واقفیت کی خدمت آپؐ کا شعار تھا۔

آپؐ اپنے گھر کے تمام کام کاج خود کرتے تھے۔ پچھا ہوا کپڑا اسی لیے جو ماہر بنت کرتے

گھر کی صفائی کر دیتے اور اونٹ بکری وغیرہ پالتو جانوروں کو خود گھروں یا فخر لپٹتے تھے۔ اپنے کام تو درکنار آچھے نے کبھی دوسروں کے کام کو بھی غار نہیں سمجھا یا گونجی گھوسن کی آیت ہمیشہ دوسروں کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہو جاتے۔ بیچاروں کی عیادت کرنے محتاجوں غریبوں کی مدد کرنے اور بچوں اور مساکینوں کو کھانا کھلانے۔ غلاموں کے ساتھ شفقت کا بتاؤ کرتے اور دوسروں کے حقوق کی حفاظت و تحفظ کرتے۔

غرضیکہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خدمت خلق کا مظہر تھا۔ چند مثالیں ذیل ہیں۔ مشہور صحابی حضرت جناب کے گھر میں دو درود ہوتے وہاں کوئی مرد نہ تھا۔ اور عورتیں بھی درود دینا نہ جانتی تھیں۔ یہ سزا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ان کے گھر درود دینے جا کر دیتے تھے۔

۲۔ ایک روز آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے کہ ایک بدو آیا آپ کا دامن پکڑ کر بولا میرا کچھ کام آہ کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤں پہلے اسے کر دیں حضور فوراً اس کے ساتھ نکلے اور اس کا کام پورا کر کے نماز ادا کی۔

۳۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف سے دربار نبوی میں کچھ مہمان آئے۔ آپ خود ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم خدمت کے لیے حاضر ہیں آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ مگر حضور نے فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں یعنی مہاجرین حبشہ کی خدمت کی ہے اس لیے میں تمہیں ان کی خدمت کروں گا۔

۴۔ اسی طرح جب سید بن طاہر کا وفد حاضر ہوا آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے مسجد نبوی میں اتارا اور خدمت کی حالانکہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے آپ کو طائف کے بازار میں پتھر مارنا کر لو لہاں کر دیا تھا۔

۴۔ ارشادات نبویؐ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ آپ نے خدمت خلق کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے رمضان بھر کے روزے رکھنے اور اس مہینے مسجد حرام میں اعتکاف بیٹھے سے یہ زیادہ عزیز ہے کہ میں اپنے بھائی کی بوقت ضرورت مدد کر دوں (کنز العمال)

۲۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو دوسرے کے درد کا احساس نہیں اور جس کا دل دوسرے کی مصیبت دیکھ کر نہیں پھیلتا وہ ہرگز خدا کی رحمت کا مستحق نہیں تمہیں مخلوق پر مہربانی کرنی چاہیے تاکہ خالق اکبر تم پر مہربان ہو۔

۳۔ آپ نے فرمایا کہ بھولے، بھٹکے یا اندھے کو راستہ بتانا بھی کارِ ثواب ہے۔
 ۴۔ ایک دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ راستے سے کانٹا یا دوسری ایذا رساں چیز کو ہٹا دینا بھی کارِ خیر ہے۔

۵۔ حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مخلوق خدا کا کفیل ہے جس بہترین شخص موانع میں وہ ہے جو خدا کے کئے کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرے (بیہقی)

فوائد و ثمرات

اس سے انسانوں میں باہمی ہمدردی و تعاون کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کو مشکلات و مصائب سے نجات ملتی ہے اور خوشحال زندگی کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دکھ و مصائب دور کرے گا۔ ان کے گناہوں میں کمی کر دے گا اور ان کی مغفرت کرے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص نے راستے سے شاخ ہٹادی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا (مسلم)

آداب اسلامی

ملاقات

نگار

شریعت و طہارت

لباس

مجلس

آداب

مفہوم آداب جمع چارویں کی جس کے معنی ہیں دانائی، دانشمندی، کسی کام کا
 اہلیت اور حسن استعمال۔ اصطلاح میں آداب سے مراد وہ قواعد و ضوابط ہیں
 جو انسانی زندگی کے مذکورہ مشاغل مثلاً **پہننے، پینے، بیٹھنے، کھانے، پینے**
 اور **لیٹنے** جیسے گریہ یقیناً اسن انجام لینے کے ضروری ہیں۔ گویا آداب نیک اور عمدہ
 وقت گزرتے اعمال کو اپنانے اور تہج العالی سے بچنے کا نام ہے۔

آداب درحقیقت اس اصول پر مبنی ہیں کہ سفر و حضر کے مشاغل میں جس طرح جو کچھ
 بائیں کہ آداب سے زیادہ افراتو فریب پیدا کرے اور کسی طرح کی تکلیف پہناتا ہو اور سی پیدا نہ ہو۔

اہمیت اسلام نے انسانی زندگی کا جو ناکہ مرتب کیا ہے اس میں آداب کو نمایاں
 حیثیت حاصل ہے بلکہ بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ عبادتیں آداب اور
 تشریح و شائستگی سے عبارت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

عَلَمِي رُبِّي ذَا سُنِّ ذَا دُبُوْحٍ
 مِيْرُوْبٌ مَعِيْ عِلْمٌ وَيَا تُوْبِيْتٌ اِجْتَانِمٌ وَيَا اَدَبٌ
 ذِيْ نَاكُحْرِيْنِ تَرَادِيْبِيْنِ
 میرا رب میرے ساتھ ہے علم دینا تو میری اور اچھا ظنم دینا اور
 میرا رب میرے ساتھ ہے اور میں سکھایا تو میری اور اچھا لوں سکھایا

اس حدیث میں حضور نے ادب کا ذکر علم سے الگ کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آداب
 کو اسلام میں بیک وقت مثل مقام حاصل ہے۔

آداب، دشمنی اور تمدن لوگوں میں امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ آداب انسانی زندگی
 کو نندینا، شائستگی اور سلیقہ بتاتے ہیں۔ آداب کے بغیر نہ تو کوئی قوم ترقی کر سکتی
 ہے اور نہ ہی کسی قوم میں ہم آہنگی و یکپہنسی پیدا ہو سکتی ہے۔ آداب سے شروع قوم
 انسانوں کی جماعت نہیں بلکہ جو انوں کا رابطہ ہوتی ہے جسے جس طرف چاہے ہانک دیا
 جائے۔ اس قوم میں اتحاد کی بجائے انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا شیرازہ بکھرتا ہے۔

لہذا آداب ہی وہ دولت ہیں جو کسی قوم کو خوشامیثیت متعین کرتے ہیں اور اسے نئی
 دکھ مڑتی نگاہ سے نظر کرنے سے ہرگز ارا کرتے ہیں۔

فوائدا آداب کے مندرجہ ذیل اہم فوائد ہیں۔

۱۔ آداب اللہ ان میں شہادت منگی اور تہذیب پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سلیقہ بناتے ہیں۔

۲۔ آداب کی جہد و سزا انسان اپنے اور دوسروں کے مرتبہ کو بخوبی پہچانتا ہے اور اسے

تجاویز نہیں کرتا۔

۳۔ آداب اخلاق کے محافظ و نگران ہوتے ہیں اور ان کے بغیر انسان دنیا کی تمام نعمتوں

پر آداب بقائے حقیقت سے محروم ہوتا ہے۔ اس سے قوم میں یکجہتی و ہم آہنگی

اور یکساںیت پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ آداب ملاقات

مفہوم ایک فرد کو دوسرے کو جب نشان کسی دوسرے جاننے والے سے ملاقات

کرتا ہے تو کسی کو کسی اور شخصیت کا اظہار ضرور کرنا ہے۔ یہ

مواظیب پر اظہار ایشیا سنت کیلئے تمام امور پر مشتمل ہے۔ انہما اور انہما کے جلتے ہیں جو ہر قوم ایک

اور مذہب میں اپنے اپنے رواج کے مطابق ہوتے ہیں۔ انہما اور انہما کے ہندو، مسیحی،

اور سکھ "واہ گورد" وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانان جانا تیار قوم ہر ملک

اور رنگ و نسل کے اسلام و عینکات کہتے ہیں جس کے معنی ہیں "تم پر سلامتی ہو"۔

اہمیت و ضرورت اسلام پر نکتہ منگی کے ہر گوشہ میں اللہ ان کی ہدایت کرتا ہے

اور انہما ایسا نظام پیش کرتا ہے جو ان کی فطرتی ہوا اس لیے

تذہن کا یہ شعبہ بھی کسی لحاظ سے اسلام کی ہدایتی ہے۔ محروم نہیں چنانچہ اسلام کا یہ

تاکیدی حکم ہے کہ جب مسلمان آپس میں ملیں تو دوسرے سے ملنا سنت یا دوسری بات نام کی

پیروی کرنے کی بجائے "السلام علیکم" کہیں۔ اسلام میں آداب کا یہ طریق اس قدر مکمل ہے کہ اس میں ہر امر خیر و برکت دکھائی دیتی ہے۔ یہ لوگوں کی طرف سے سلام اور جواب سلام کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی سلامتی کے خواہشمند ہیں۔ کیونکہ پہلا شخص "السلام علیکم" کہہ کر سلامتی کا ذکر کرتا ہے اور دوسرا سلامتی کی دعا مانگتا ہے۔ اور دوسرا شخص اپنے تعلیم کرتے ہوئے "وعلیکم السلام" کہتا ہے جس کے معنی یہ ہیں "تم پر بھی ہر طرح کی سلامتی ہو"۔ گویا دونوں طرف سے سلامتی کی خواہش کا اظہار ہو گیا اور اسی کا ہر شخص مستثنیٰ ہے۔

آدابِ آیات کے وقت۔ سلام کہنے کے اسلام نے مندرجہ ذیل اصول بیان کئے ہیں۔ **اولاً** کے حضور "سلام" کہنے کا حکم قرآن مجید میں یوں دیا گیا ہے کہ **وَإِذَا جِئْتُمْ مِنْ بَنِي سَبْتٍ أَوْ مَدِينَةٍ مَسْجُودًا فَاسْلُتُمْ وَأَنْتُمْ فِي الْمَوَاقِعِ الْمَسْجُودِ وَإِنِ اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهَا مَسَاجِدَ لِتَسْلُتُوا فِيهَا فَلَا تَسْلُتُوا فِيهَا وَلَا تَمْسُكُوا بِهَا زُرُوعًا وَلَا حُلُمًا وَمَا لَكُمْ لِمَا كَفَرْتُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا مَسَاجِدَ لَكُمْ أَنْ تَسْلُتُوا فِيهَا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ**۔ (سورہ بقرہ ۱۲۵)۔ اس سے بہتر سلام کر دیا کرنا یا کم سے کم ویسا ہی جواب دو)۔ پھر ایک دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا **وَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ**۔ (سورہ نساء ۶۱)۔ جب تم گھر میں جاؤ تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرنا۔ یہ ایک دعائے خیر ہے جو تم کو خدا کی طرف سے تعلیم کی گئی ہے۔ برکت والی اور پاکیزہ۔ ان آیات میں "سلام" کو خیر و برکت بنا دیا گیا ہے اور سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا ہر مسلمان پر لازمی قرار کیا گیا ہے۔

تکمیل ایمان اور حق اسلام۔ ان احکام قرآنی کی وضاحت میں نبی کریم کے پیغمبر ارشادات کتب صحابہ میں "باب السلام" کے تحت مذکور ہیں۔ ہر کار و دعاء عالم سے سلام کرنا مسلمان ہونے کی شرط قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا میں نے اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو گا جب تک ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک تمہارا ایمان مکمل نہ ہو گا جب تک تم کہیں میں محبت نہ کرنا۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ

بتلاش کی جیب تم اس پر عمل کر دو تو تمہارا وہ درمیان عجمت بڑھے اور وہ بات یہ ہے کہ سلام کو
 رواج دینے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک روایت میں حدیث میں آتا ہے کہ سلام کو
 مسلمان کا حق قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبیؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر حجرت ہو
 جیب کوئی مسلمان بیچارہ ہو تو عداوت کو نہ سمجھو۔ کوئی مسلمان مہاجر ہے تو کھینچو گھسیٹو کہہ کر
 جب کوئی مسلمان دعوت سے قبول کرے جب کوئی مسلمان شہید ہو سکے تو اسے آکر تہنیت
 مسلمان چھینے کے لیے جواب دہ اور انہوں نے کہا کہ مسلمان کی فیر خواہی کہ یہ ہے! حضرت عیاد
 بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے مدعا کیا کہ اسلام کا کون سا کام ہے
 تو حضورؐ نے فرمایا تمہارا کھانا کھلاؤ اور کسی شخص سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اسکو سلام کرنا
 آپ کا ایک یہ بھی اور تمہارے کو سب سے زیادہ خیر و نفع ہے۔ یہ ملاقات کے وقت سلام نہیں کرنا
 اور اخوت و مساوات ہے۔ سلام، کیا مفہوم مسلمانوں میں اخوت و مساوات قائم کرنے
 تکہ کو ملتا رہی ہے۔ یہاں پر سلام کہنے کے لیے جو اصحاب آنحضرتؐ نے بیان فرمائے ہیں وہ اس امر
 کی تجویز و وصاحت کرتے ہیں حضورؐ میں ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ سے فرمایا ہے کہ
 پچھلے دنوں کو سلام کرنا اور حضورؐ سے آدمی ہونے سے آدمیوں کو سلام آگیا۔ اس وقت
 مروی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سلام کر کے نہ جھکیا جوڑ کر
 نہیں کہہ سکتے اور تمہاری ان ایک شام تیرے قریب سے گزرے اور اسکو سلام کہا حضورؐ نے فرمایا
 کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کو ان کی حاجت کے پاس سے گزرے اور انکو خبر پڑی کہ سلام کہا
 حضرت قتادہؓ کہتے ہیں میں نے فرمایا ہے کہ جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو
 سلام کرنا اور جب تم گھر سے باہر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کر کے رخصت کرنا آپ کا حکم ہے
 یہ جس انداز میں کہہ رہے ہیں کہ نزدیک تر وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے اور دیکھ کر
 ارشاد یہ ہے کہ سلام میں پہلے کہنے والا اظہر ہے! کیا ہے؟
 ہم نے مسلمانوں کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ ان کے

Marfat.com

کو تمام امور میں پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا آپ سے متاثر نہیں رہوں گے کیونکہ آپ
 کو پتہ ہے فرمایا میں نے اس کے جواب میں "و علیکم السلام" اور یہی قسم پڑھی کہ پھر فرمایا۔
۶۔ جواب سلام۔ سلام ہمیشہ بہتر طریقہ پر کرنا چاہیے اور اگر کسی کا جواب نہ
 ملے تو طریقہ پر دینا چاہیے۔ حضرت عمران بن حنین سے روایت ہے کہ ایک شخص نے
 نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر "السلام علیکم" کہا۔ آپ نے اس کے سلام کا
 جواب دیا۔ پھر وہ شخص بچھڑ گیا۔ حضورؐ نے فرمایا اس شخص پر کسی نے دس نیکیاں
 لکھی گئیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور کہا "السلام علیکم" اور بتا رہا تھا کہ آپ نے اس کو
 بھی سلام کا جواب دیا اور اس کے بچھڑ جانے پر فرمایا اس کے لیے پانچ نیکیاں لکھی
 گئیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور کہا "السلام علیکم" اور بتا رہا تھا کہ آپ نے
 اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور اس کے بچھڑ جانے پر فرمایا اس کے لیے تین نیکیاں
 لکھی گئیں۔ حضرت معاذ بن انس نے اس حدیث میں بیان کیا کہ اگر وہ ان کے پاس
 کہ پھر ایک اور شخص آیا اور کہا "السلام علیکم" اور بتا رہا تھا کہ آپ نے اس کو
 نے فرمایا اس شخص کے لیے چالیس نیکیاں لکھی گئیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا
 اور اسی طرح سے ثواب بڑھتا جاتا ہے۔

فوائد و ثمرات | آداب کہنے کا یہ طریق جو اسلام نے سکھایا ہے صلح و امن

اخوت و مسادات اور برکت کا یہ دار و درویش ہے جس کا مقابلہ
 دنیا کا کوئی طریقہ آداب نہیں کر سکتا۔ پھر اس سے باوجود ہمارا یہ عالم ہے کہ اسلام کے
 اس بہترین و مسنون طریقہ کو چھوڑ کر نئے نئے طریقہ اختیار کر رہے ہیں اور اس سے
 "آداب عرض" "بندگی" "مسلما متی" "اسلمات عرض" "بیاور" "گزار" وغیرہ الفاظ
 جو اسلام کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں نہ صرف بے مقصد ہیں بلکہ پسند بھی نہیں
 لیتے۔ انہیں چھوڑیں تو ان کو کہ اسلام کا مسنون طریقہ قرار دیا جائے اور یہی

پہلے دینی دنیاوی بہتری کا موجب ہے۔

۲۔ آداب گفتگو

مفہوم ایک دوسرے سے ہم کلام ہونے اور بات چیت کرنے کے طور پر

گفتگو ایک معاشرتی و تمدنی ضرورت ہے۔ انسان جب ایک معاشرے میں رہتا ہے اور دوسروں سے مل جل کر

زندگی بسر کرتا ہے تو لازماً دوسروں سے ہم کلام ہونے کے مواقع آتے ہیں۔ ایسے مواقع پر گفتگو ایسی ہونی چاہیے کہ ماحول خوشگوار رہے اور کسی طرح کی بھڑکی یا دل شکنی پیدا نہ ہو۔ اسی بنا پر آداب گفتگو متعین کئے جاتے ہیں۔

آداب قرآن و حدیث میں جو آداب گفتگو بیان ہوئے ہیں ان میں سے بعض اہم ہیں اور بعض سلیبی۔ ان آداب کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ نرمی: آداب گفتگو میں سب سے اولین اصول یہ ہے کہ بات نہایت نرمی اور سلیقے سے کی جائے اور کسی طرح بھی نرمش یا سخت لہجہ اختیار نہ کیا جائے۔ قرآن حکیم میں حضرت یونسؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھجے وقت دلتا ہوتی آیتیں مذکورہ ہیں۔
تو تم اس سے نرم بات کرنا۔
ایک دوسرے سے تمام پرورشیت لہجے اور چیخ چیخ کر بات کرنے سے یوں منع

فرمایا ہے۔
وَأَهْضَمُوا مِنْ صَوْتِكُمْ أَنْ تَنْكُرُوا
الْأَصْوَاتَ النَّصُوتَ الْكَبِيرَةَ۔
راؤد اپنی آواز کچھ آہستہ کر کیونکہ سب
آوازوں میں بڑی آواز گدھوں
(قرآن) کی ہے۔

۲۔ نیک بات : گفتگو کا عنوان ہمیشہ نیک، اچھائی اور بھلائی ہونا چاہئے یعنی ایسی بات کہنی چاہئے جس سے اپنا اور سب کا ایسا مقصود ہو۔ قرآن حکیم کا ارشاد
 وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ) (اور لوگوں سے اچھی بات کہو)۔
 قرآن حکیم نے نیک بات کہنے کی عہدہ کے مترادف قرار دیا ہے۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

يُؤْتِي مَن يَشَاءُ مَن مِّنْهُ مَغْفِرَةً مَّا يَشَاءُ (البقرہ) (اور وہ جو چاہے)۔
 نیک کی بات اور درگزر کرنا اس خیریت سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آواز کا ہو)۔
 آنحضرت نے بھی ارشاد فرمایا ہے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جسے چاہئے کہ وہ نیک بات کہے باچھپ رہے۔

۳۔ عدل : گفتگو میں عمل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور ایسی بات کہنی چاہئے جو منصفانہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ (الاحزاب) (اے ایمان والو! خدا سے تقویٰ اختیار کرو)
 وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ (البقرہ) (اور بات سیدھی کہو، اللہ تمہارا کام سزاوار
 اَعْمَالَكُمْ وَيُصْلِحْ لَكُمْ (الاحزاب) (گما اور تمہارا گناہ معاف فرمائے گا)۔

۴۔ واضح بات : گفتگو بہت واضح ہونی چاہئے جو مخاطب کو باسانی سمجھا
 اسکے بہتات کو صفائی اور سہولت سے کہنا جائے اور ضروری ہوتی بات کو دہرا کر بیان
 کیا جائے۔ حدیث ہے کہ حضور کو کئی بار اس کا ارشاد فرماتے اور
 اتنی طبری جلدی نہ کرتے کہ مخاطب ہر لفظ کا مفہوم نہ سمجھ پائے۔ حضرت عائشہ کہتی
 ہیں کہ آنحضرت تیزی سے گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح طہر ٹہر کر بات
 کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص آپ کے الفاظ کو گنا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ ایک صحابی
 کہتے ہیں کہ رسول اکرم کے کلام میں تریل اور تریل پائی جاتی تھی یعنی ہر لفظ الگ

انگ ہوتا تھا اور اس وقت فرمایا کہ آسمانی سمجھ آتی تھی۔
 ۵۔ اختصار۔ گفتگو مختصر کرنی چاہیے اور لمبی لمبی تقریریں اور لہجہ لہجہ جملوں سے
 اجتناب کرنا چاہیے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت طویل گفتگو کی حضرت عمر بن العاصؓ
 نے سنا تو فرمایا کہ اگر یہاں نہ روی اختیار کرتا تو اسکے لیے بہتر ہوتا کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا
 ہے کہ گفتگو میں اختصار بہتر ہے۔

۶۔ حفاظت زبان و گفتگو میں سب سے اہم اصول یہ ہے کہ بات بقدر ضرورت کرنی
 چاہیے اور زبان کو بے لگام نہ ہونے دینا چاہیے کیونکہ اس طرح بعض اوقات گفتگو
 خطرناک ہو سکتی ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شوخی لفظ زبان سے نکالا
 جائے اس کا اچھا یا بُرا نتیجہ ضرور مرتب ہوگا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

مَا يَلْفُظُونَ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (قرآن مجید)
 (قرآن میں کوئی لفظ نہیں بولتا مگر ایک
 نگران اس پر حاضر رہتا ہے)

آنحضرتؐ نے بھی فرمایا ہے کہ ایک بات سے یا تو اللہ کی تعظیم ہو سکتی
 حاصل ہو جاتی ہے اور یا اس کی تاقیامت نفاذ کی جاتی ہے۔ آپؐ سے یہ بھی
 فرمایا ہے کہ بر دوں حبروں کے بیچ یعنی زبان پر پورا تدبیر رکھے گا جنت
 میں جائے گا۔

۷۔ بامقصد بات۔ گفتگو ہمیشہ بامقصد ہونی چاہیے لغو ولا یعنی اذنی فضول

دوسرا باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ

وَالَّذِينَ يَسْمَعُونَ اللَّغْوَ عَسَىٰ أَنْ يَلْمُوكَ وَالَّذِينَ كَانُوا لَكَ مِنَ الْأَعْرَابِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَىٰ الَّذِينَ كَانُوا

اگر مخاطب لغو لا یعنی باتیں کر رہا ہو تو قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ دعوت شریعی جائے۔ فرمایا

وَإِذَا خَاطَبْتَهُمْ وَالْوَعْدُ أَوْفَاكُمْ لَا مَنَّكَ اللَّهُ بِالَّذِينَ يَحْمِلُونَ أَسْرَارَكَ فَأَنْصِرْهُمْ وَأَنْصِرْ فَرَادَ الْأَعْرَابِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَىٰ الَّذِينَ كَانُوا

اور جب ان کو مخاطب کرتے
 (قرآن) میں لڑو مسلمان کہتے ہیں)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسے لوگ جو فضول باتیں کہتے ہوں اور انہوں نے
 میں مبتلا رہتے ہوں وہ امت کے بدترین افراد ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں
 فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خبریوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز سے اس کو مطلب
 نہ ہو اور توجہ نہ دے۔

۸۔ بُرَانہ کہتا ہے۔ گفتگو میں یہ جائز نہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو بُرا کہے

البتہ اگر وہ مظلوم ہو تو ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغَيْبِ
 وَاللَّهُ كَوْنٌ بِهِ لَسْتُمْ تَعْلَمُونَ (النساء)

گو بُرا کہے مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔

۹۔ محش کی ممانعت ہے۔ اسلام نش و بے حیائی کی باتوں سے بھی سختی سے منع

کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَقْرُبُوا الْقَوْلَ احْشَ مَا ظَهَرَ
 مِنْهَا وَمَا بَيْنَ (الانعام)

اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر میں اور جو

پوشیدہ ہوں ان میں کسی کے قریب نہ جانا۔

۱۰۔ گفتگو میں بعض اوقات فخر و فخریہ باتیں اور شہرت کی

خاطر بعض اوقات محض تفریح اور تہنن طبع کے لیے لوگ نہایت پر تکلف

اور چہا چہا کر باتیں کرتے ہیں۔ اسلام نے گفتگو میں اس تہنن و بناوٹ کی

بھی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بلوغ

آدمی کو مبعوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر بات کرتا ہے۔

جس طرح بیل اپنی زبان کو توڑ مروڑ کے گھاس کو تاتا ہے۔ ایک

دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص اسلوبِ کلام میں اسے بدلے بدلے

بدل کر تاتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے۔ خدا تعالیٰ قیامت کے

روز اس کا فدیہ و توبہ قبول نہ کرے گا۔

۱۱۔ تفسیر طہر، تفسیر اور غیبت کی مہارت :- قرآن حکیم نے

گفتگو میں دوسرے کی نہیں اڑانے، طہر کرنے، دوسرے کو گریہ کرنے اور کسی کی غیبت کرنے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ ان باتوں سے دل شکنی ہوتی ہے اور دشمنی پیدا ہو کر اخوت اسلامی کا شہہ منقطع ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا قَوْمًا

وہ جسے ایمان والو! لوگ، لوگوں سے

تسخیر نہ کریں.....

مِنْ قَوْمٍ...

اور اپنے آدمیوں پر طہر نہ کرو اور نہ

وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّذِينَ كَفَرُوا لَئِنَّا

بڑے القاب سے بدنام کرو)

بُؤُودًا بِآلِ الْقَابِ (المجادلہ: ۱۱)

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے :-

(اور تفسیر نہ کرو اور تم میں سے بعض بعض

وَلَا تَسْخَرُوا قَوْمًا لَقَدْ لَعْنَتُ لِقَوْمٍ

کی غیبت نہ کریں کیونکہ تم میں سے کوئی چاہتا

أَلْقَيْنَا آيَاتِنَا أَخَذَكُمْ بِأَنْفُسِكُمْ

ہے کہ وہ اپنے مرنے والوں کی کا گوشت کھائے

لَعَنَهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَفَرُوا فَوَيْلٌ

حالانکہ تم اسے ناگوار جانتے ہو۔)

لِلْمُكْفِرِينَ (المجادلہ: ۱۲)

(۱۲) خودوں کا کلام :- خودوں کو بلا ضرورت نامحرم مردوں سے گفتگو نہ کرنی

چاہئے۔ لیکن جب ضرورت پڑے تو بات اور لہجہ میں ایسی نزاکت اور

لوح نہ پیدا کی جائے کہ سننے والے کے دل میں بدی کا خیال پیدا ہو۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

اسے نبی کی بی بیوں اور بی بیوں سے بات

فَلَا تَسْخَرْنَ مِنَ الْقَوْلِ يُنْفَعُ

نہ کیا کرو ایسا کہ وہی لوگوں کے دل میں

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَيُؤْتُونَ

کسی بات کا کھوٹ ہے وہاں جا جائے

مَعْرُوفًا (الاحزاب)

تم سے کس طرح کی توقع رکھے گا۔
 اور محققات و بہلاک بات کو

فوائد و ثمرات | آداب گفتگو کو مد نظر رکھنے کے بے شمار فوائد و ثمرات
 ہیں۔ اس سے انسان کے رفتار میں اضافہ ہوتا ہے
 اور وہ منہج و متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اچھی گفتگو دوسروں کے
 لیے از خود اپنے لیے بھی فائدہ مند ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے
 شخص کو پسند کرتا ہے اور اپنے انعامات سے نوازتا ہے۔

۳۔ آداب شرب و طعام

مفہوم | شرب کے معنی ہیں پینا اور طعام کے معنی ہیں کھانا۔
 آداب شرب طعام سے مراد کھانے پینے کے طور طریقے
 اور اصول ہیں۔

اہمیت و ضرورت | کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔
 اور انسانی زندگی کا انحصار اسی پر ہے۔
 لیکن کھانا پینا زندگی کو قائم رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ مقصود
 بالذات نہیں۔ طبی نقطہ نظر سے بھی یہ ضروری ہے کہ کھانا پینا
 صاف ستھرا اور مفید صحت ہو۔ نیز انسان بسیار خوری کا مرکب نہ ہو
 اخلاقی نقطہ نگاہ اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان کھانا کھانے سے پیشتر
 اپنے آس پاس لوگوں کا بھی خیال کرے کہ کہیں وہ بھوکے تو نہیں۔
 انہی مقاصد کی بنا پر کھانے پینے کے آداب و اصول متعین کرنے کی ضرورت
 پڑتی ہے۔

آداب اسلام نے شروب و طعام کے بندوں پر ذیل آداب مقرر کیے ہیں :-

۱۔ پاکیزگی :- کھانے پینے کے باب میں اسلام کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اشیائے خورد و نوش کو پاکیزہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے پاکیزہ چیزیں ہاتھ لگانے کے لیے حلال اور ناپاک چیزیں حرام قرار دی ہیں جیسا کہ فرمایا :-

أَنْزَلَ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ (المائدہ) تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں (گردی گئیں)

ایک دوسری جگہ فرمایا :-

وَجَاءُوا آمِنًا رِزْقًا مِّنَ اللَّهِ صَحْلًا لَّهُ طَيِّبًا (المائدہ) اور خدا نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے اسے کھاؤ (طیباً)

پاکیزگی ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے ضروری ہے یعنی جو چیز کھائی جائے وہ شریعت کی رذ سے حلال ہونا چاہیے۔ شریعت نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے مثلاً مردار، خون، سوز، غیر اللہ کے نام ذبحہ، شراب وغیرہ قطعاً نہ کھانا پینا چاہئیں۔ اسی طرح حلال اشیاء جو حرام ذرائع سے حاصل کی گئی ہوں مثلاً سود اور رشوت وغیرہ کی کھائی ہرگز پاکیزہ نہیں۔

۲۔ صفائی :- اس سلسلے میں دوسرا ادب یہ ہے کہ کھانے پینے کی

اشیاء صفات سفیری ہونی چاہئیں۔ گندی اور نجس اشیاء نہ صرف

مرض صحت میں بلکہ شریعت کی نگاہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ النِّطَاقَةُ مِنَ الْإِيمَانِ (رضفائی

جزو ایمان ہے) کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھولیا چاہیے۔

تیز برتنوں کی صفائی کا نفاذ خیال رکھنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ صفائی رہے اور کوئی بھروسہ یا کیرٹا لگا کر کھانا نہ کھا جائے۔ صفائی کے پیش نظر ہی حدیث میں آیا ہے کہ کھانے میں صرف تین انگلیوں سے کام لینا چاہیے۔

سہ سادگی :- کھانے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ خوراک سادہ ہو چاہیے

اس میں اسراف یا فضول خرچی کا عنصر نہ ہونا چاہیے۔ قرآن پاک نے کھانے پینے میں اسراف کے بڑے ممانع فرمایا ہے کہ
 کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا
 اِنَّ السَّرْفَ لَا يُحِبُّهُ الْمُؤْمِنُونَ
 کھاؤ اور پیو اور نہ سوڈانہ فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک التذلل فی فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

بھٹ پٹے اور ایک وقت میں کئی طرح کے کھانے نہ ہونے چاہئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں ایک ہی سالن سے روٹی کھاتے تھے۔ سادگی کی حد یہ تھی کہ ایک مرتبہ کھانے والوں سے پوچھا کہ گھر میں کوئی سالن ہے؟ جواب ملا کہ سرکہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ گنجائش سے زیادہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہیے۔ طبی یا دنیوی نہ صرف، دوسری کو سست کر دیتی ہے اور اسے طرح طرح کے امراض میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ احادیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کھانا تین کو اور تین کا چار کو کافی ہوتا ہے۔ ایک دوسری

حدیث میں فرمایا کہ ایک کا کھانا دو کو دو کا چار کو اور چار کا آٹھ کو کافی دیتا ہے۔

بسم اللہ کا نام لینا :- کھانے پینے کے اول آخر اللہ کا

نام لینا مسنون ہے۔ ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا چاہیے اور اگر شروع میں بھول جائے تو درمیان میں بھی پڑھنا چاہیے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا پڑھ لینا چاہیے۔ اس ضمن میں ایک حدیث میں بیان ہوا ہے صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا تھا۔ تو جب تک آپؐ کھانا شروع نہ کرتے ہم کھانے میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ ایک بدو بھاگتا ہوا آیا اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ آپؐ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

پھر اسی طرح ایک لونڈی آئی اور اس نے بھی کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا آپؐ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور پھر فرمایا کہ جس کھانے پر خدا کا نام نہیں لیا جاتا شیطان اس کو اپنے لیے چائز کر لیتا ہے۔ کھانے کے اہتمام پر بھی اللہ کی شکر گزاری کے طور پر کوئی دعا پڑھنی چاہیے۔ احادیث میں متعدد دعائیں منقول ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا
مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(اور خدا کا شکر ہے جن نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنا دیا)

(نبی)

۵۔ دائیں ہاتھ سے کھانا۔ دائیں ہاتھ میں نسبتاً زیادہ چستی اور طاقت ہوتی ہے۔ اس لئے انسان فطرتاً سب کام دائیں ہاتھ سے کرتا ہے۔ اسی ہاتھ کو نیا صاف ستھرا بھی رکھتا ہے، لہذا کھانے پینے کے لئے دایا ہاتھ ہی استعمال کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کل بيمينك (دائیں ہاتھ سے کھاؤ) ایک مد معری حدیث میں فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا کام ہے۔

شریعت نے نہ صرف دائیں سے کھانے بلکہ کھانا پیش کرنے میں بھی دائیں جانب کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا ہے ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں دو دودھ پیش کیا گیا۔ اس وقت آپؐ کی دائیں جانب ایک بدو بیٹھا تھا اور بائیں جانب حضرت ابو بکرؓ تھے آپؐ نے دو دودھ پی کر بدو کی طرف پیالہ بڑھایا اور فرمایا کہ ترتیب میں دائیں جانب کا لحاظ ضروری ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ کی جانب ایک ٹوکا اور بائیں جانب کچھ مسر لوگ بیٹھے تھے۔ آپؐ نے کوئی چیز پی تو رکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو یہ میں ان بزرگوں کو دے دوں۔ اس نے عرض کیا حضورؐ کی عنایت سے جو چیز ملے میں اسے کسی کو نہیں دے سکتا۔ حضورؐ نے پیالہ اسی کی طرف بڑھا دیا۔

۶۔ قرب سے کھانا۔ کھانا ہمیشہ سامنے اور قریب سے کھانا چاہیے اور پڑی چیز اٹھانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا كُلْ مِمَّا يَلِيكَ (اپنے قریب سے کھاؤ) اس سے ایشار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اسی ضمن میں یہ بھی ہے کہ کھانا برتن کے کنارے سے کھانا چاہیے اور درمیان سے شروع نہ کرنا چاہیے۔ اس سے ایک تو کھانے کی جو مقدار بچے گی وہ صاف ہوگی اور دوسرے برتن بھی گندہ نہ ہوگا۔ آنحضرتؐ نے اسے برکت سے تعبیر کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔ گویا درمیان سے کھانے سے برکت جاتی رہتی ہے۔

۱۔ باہم مل کر کھانا : باہم مل کر پینا پینا اور دوسرے کام انجام دینا بھی معاشرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اگر دو خانہ یا دو بہتہ و اجباب باہم مل کر کھائیں۔

اگرچہ قرآن پاک کی رو سے الگ الگ اور باہم مل کر دونوں طرح کھانا جائز ہے۔ لیکن آنحضرتؐ نے باہم مل کر کھانے کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ ایک ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ باہم مل کر کھانے سے کھانا ضائع بھی نہیں ہوتا۔ کھانا کھانے میں سہولت بھی رہتی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے نبت بھی بڑھتی ہے بعد برکت بھی ہوتی ہے ایک مرتبہ صحابہؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے فرمایا غالباً تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو۔ سہانہ نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا ایک ساتھ مل کر کھاؤ اور بسم اللہ پڑھو بیکر و توبرکت ہوگی

۸۔ بھٹے سے کھانا : اگر ایک سے زائد آدمی شریک طعام ہوں اور کھانا زیادہ نہ ہو تو کسی آدمی کو زیب نہیں دینا کہ وہ دو دو بھٹے اٹھائے اور دوسروں سے بڑھنے کی کوشش کیونکہ اخلاقی اعتبار سے یہ اٹیاری کے منافی ہے اور خصوصاً لاپرواہ پر ولایت کرتا ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو کھویریں مل کر سنت کھاؤ ہاں ساتھی اجازت دے تو اور بات ہے۔ مطلب یہ ہے اگر کسی کو زیادہ بھوک ہو تو اسے دوسرے شریک طعام افراد سے زیادہ کھانے کے لئے پوچھ لینا چاہیے۔

۹۔ پینے کے خصوصی آداب : پینے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض خصوصی احکام بھی ارشاد فرمائے ہیں۔ آپؐ نے مشکیزے یا کسی برتن سے براہ راست منہ دکا کر پینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے پانی کی مقدار کا صحیح اندازہ نہیں

سَوَاتِكُمْ رَيْشًا وَيَأْسُ الْقَتَوِي ذَلِكَ خَيْرٌ تازا کیا ہے۔ جو تمہاری شرم گاہ
چھپاتا ہے اور زیبائش بھی ہے
اور پرہیزگاری کا بیدار سب
سے بہتر ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ لباس کا فطرت نے انسان
پر لہام کیا۔ چنانچہ حضرت آدم و حوا کو جب روئے زمین پر اتارا گیا تو انہوں نے
جن چیز کی مدد سے زیادہ اشیاء ظاہر کی۔ وہ لباس ہی تھا۔ انہوں نے اسی ضرورت
کے تحت اپنے جسم کو پتوں سے ڈھانپا اور پھر آدم نے کپڑا بنانا سیکھا۔ اس طرح
لباس معرض وجود میں آیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کس وضع کا لباس جائز قرار
دیتا ہے؟ اور کس طرح کے لباس کی تائید و تاکید کرتا ہے اور اصل
اسلام میں کسی خاص طرز کے لباس کا حکم نہیں بلکہ اسلام جو دین فطرت ہے زندگی
کے ہر بگڑا حکام کی طرح اس بارے میں بھوکا چند بنیادی باتوں پر زور دیتا ہے تاکہ
اس کے پیروکار اپنے اپنے علاقوں میں مخصوص آب و ہوا، موسمی ضروریات اور
قوموں کے مخصوص کے مطابق لباس کی کوئی بھی صورت بھی اختیار کر لیں بشرطیکہ ان
بنیادی اصولوں سے انحراف نہ ہوتا ہو۔

لباس کے بارے میں اسلام کے بنیادی اصول دو طرح کے ہیں۔ مثبت اور
منفی جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ اشیائی یا پندہائی۔ وہ باتیں جنہیں اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔
۲۔ ستر پوشی، ستر سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جسے شریعت نے پوشیدہ

دیکھنے کا تقاضا کیا ہے۔ مرد کے ستر کی حدود ناف سے گھٹنے تک ہیں اور عورت کا سارا جسم سوائے چہرے اور ہاتھ پاؤں کے ستر میں شامل ہے ستر کا نہ تو عیب رکھنا ہائز ہے اور نہ ہی دوسرے کے ستر کو دیکھنا ہی جائز ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے۔ اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔

ستر پوشی کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی ایسا لباس نہ پہنا جائے جس سے ستر دکھائی دیتا ہو یعنی لباس اتنے باریک گیرے سے نہ تیار کیا گیا ہو۔ جو نیم عمر یا مٹی کا باعث ہو نیز اتنا چست بھی نہ ہو تا پاپا بیٹے۔ جس سے جسم کے مختلف حصوں کی بناوٹ نمایاں ہوتی ہو یعنی پلنے پورے اور لٹھنے بیٹھے وغیرہ میں اعضا کی بناوٹ ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ وہ عورتیں جو کپڑوں میں بھی عریاں ہوں غیر مردوں کی طرف ناکن ہیں اور انہیں نکوت میلان دیتی ہیں وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کے پورا ہونے کی سالانہ جنت کی خوشبو پائے گی برس کی مسافت سے آگے آئے گی۔ درحقیقت آنحضرت نے اس حدیث میں امر کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت اسماء باریک کپڑے پہن کر حضور کے سامنے آئیں تو آپ سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اسے اسماء! یہ عورت بائع ہو جائے تو اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہ دیتا جیسے سدا سے نہ اور تنہیلوں کے ہے کہ نیم پورا کی عورت کی بیعت کو اور نمایاں کرتی ہے اور اس سے پریشانی کا حق اور نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ آنحضرت کی خدمت میں چند قبیلے پہنچے۔ ان سے کہا کہ تم جو عورتیں ایک پیرا ایک صحابی کو دیا اور فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے سے کہو ایک کی تمہیں بیواؤ اور ایک اپنی بیوی کو دے دینا وہ لڑھکی بنا سکے گی۔ یہاں وہ پیرا

تعمیر فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ اس کے بیچے کو کئی دوسرا کپڑا لٹکا دے تاکہ وہ ان بند چھیکے۔

۴۔ حفاظت جسم اور اسلامی لباس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جسم کی حفاظت کا موجب ہو یعنی گرمی اور دیکر موسمی اثرات محفوظ رکھے اور بوقت جنگ دشمنوں سے حفاظت کرتا ہو۔ اسی لئے لباس موسمی اور دیگر ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ جو تلبس ہے اور لاکھوٹے پیر کی مانند ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آرام میں رہتا ہے اور بہت ساری ایذاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔

۵۔ زمینت یا اسلام کی ایک اہم خصوصیت زمینت یعنی زمینت یا اظہار ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

حَدِّ وَابْرِيْنَتِكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (پھر نماز کے وقت زمینت سے ہو نماز کا حکم دن میں پانچ مرتبہ ہے اس لئے سارا دن ہی زمینت سے رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔)

زمینت کا مطلب ترقی برقی ہوتا نہیں بلکہ یہ ہے کہ لباس صاف ستھرا خوشنما اور پہننے والے کی شایان شان ہو۔ چنانچہ ایک طرف وہ لباس جس سے انسان کی بے بسی ہوا اور اس کی تزیین ہوئی ہو زمینت کے شرعی مفہوم کے خلاف ہے تو دوسری طرف ایسا لباس جس سے تہن آسانی ہو اور ضرورت کی چیز نظر آئے شروع ہے۔

درخصیۃت خدا تعالیٰ پر پورا ہوتا ہے کہ اس کی نعمتوں کی علامات اسی کے بنا سے ظاہر ہوں۔ چنانچہ آنحضرت کی خدمت میں ایک شخص بھٹے پر اسے لباس حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کیا تم اسے پاس مانگے ہو؟ اس نے جواب دیا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اونت گھوڑے بکریاں اور غلام ویسے ہی آپ سے فرمایا
جب اللہ نے مجھے مال دیا ہے تو اس کے اثرات مجھ پر نظر کرنے چاہئیں۔ مراد یہ ہے
کہ حسبِ حیثیت لباس پہننا چاہیے۔

آنحضرتؐ سے یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے ہتھائیوں کے پاس جو اسٹم ہو تو یہ ایسا سان
سفر اور پوشاک درست کرو تا کہ تم سفرز نظر آؤ کیونکہ اگر تم نکالی کو شرم و شرمش یعنی
بددوئی ناپسند ہے۔

حضرت اکرمؐ نے ایک جونا پہننے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بڑی بوہے آپ نے فرمایا کہ
مجھے تجارتی دنوں جوتے پہننا یا مسندیں اتار دو۔

پہننا صفائی و پاکیزگی۔ لباس کی صفائی و پاکیزگی کا قرآن مجید میں یہ اصول حکم
فرمایا ہے۔

اور اپنے کپڑوں کو خوب پاکیزہ رکھنا
رکھو اور جو اسٹم ہو، انکے رکھو

وَتَبَايَكَ فَطَهِّرْ

لباس کی پاکیزگی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی بچہ اسلام
کا نماز جیسا اہم کر لیں بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

آنحضرتؐ نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔ طہارت یعنی ظاہری صفائی
اور باطنی پاکیزگی لباس کے معاملہ میں اشد ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے
سفید کپڑے پہنو کہ وہ زیادہ پاک اور ستھرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں
فرمایا ہے کہ میں اپنے کپڑے جہنم میں پہن کر تم زندہ کی زیارت کرتا ہوں اور مسجدوں
میں کرو سٹھیر کپڑے پہن۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک شخص کو براگندہ سر دیکھا میں نے کہا بکھرے ہوئے
پہنے تو فرمایا کہ اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے بالوں کو اکٹھا کرے۔ اور ایک

دوسرے شہزادوں کو میلا کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کیا اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے کپڑے دھوئے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کے لئے سیاہ چادر تیار کی گئی آپ نے اس کو استعمال کیا جب پسینہ آیا اور اس کی بوجھیلی تو اس کو ہٹا دیا۔

صغالی و پاکیزگی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نے ریشم کا بننا مروجہ کے لئے حرام ہے اس کے پہننے کی حضرت زینب اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کو بخش دیا۔ حضرت فریادوں کو انہوں نے جوڑوں کی شکایت کی۔ نیز آپ نے دوزخ کی کھال بچھانے سے بھی منع فرمایا۔

۵۔ ساوگی۔ لباس میں تکلف و بے جا آرائش مروجوں کے شایان شان نہیں

حضور پریشاک ہیں تکلف نہیں فرمانے تھے آپ کا عام لباس قمیض اور چلو

ہوتا تھا۔ دناتس کے وقت آپ کا لباس فقط ایک پیوند شدہ بھٹی چادر اور

ایک موٹا تھم تھا۔ ہمیشہ سادے آرن کل کے چیل کی طرح ہوتے تھے گدا پھر کے

کا تھا جس میں کھجور کی پھال بھری ہوتی تھی۔

یہی سادگی و عبادت المؤمنین کی زندگی پر بھی چھائی ہوئی تھی اور عامۃ المسلمین

پھی اسی رنگ اصحاب صفہ کا لباس ایک ہی بڑا کپڑا جسے گردن میں باندھ کر

پن سے پیٹا لیتے تھے کبھی آدھی بٹل اور کن ٹخنوں تک رک رہا ہوتا تھا

اسے ہاتھ سے سنبھالتے رہتے تھے کہ شتر نہ کھلے۔

روایت۔ حضرت عائشہ نے پیوند کی ہوئی کلی اور موٹا تھم نکالا اور کہا

کہ حضور کی دناتس ایسی ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ کپڑے کو پرانا نہ سمجھو

پیوند نہ لگا لو۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا روتی ہونا ایمان سے ہے

خوردی ہونا ایمان سے ہے۔

۱۔ سلسلی پابندیوں :- جو سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ اسراف نہ ہو :- اسراف یعنی فضول خرچی کو اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں پلیندہ کیلئے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کو کڑی سزا دینے اور ان افعال میں قرار دیا ہے۔ چنانچہ لباس میں بھی آنحضرتؐ نے اسراف کی ممانعت فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ تو جو چاہے کھا اور جو چاہے پہن جب تک دو باتیں نہ ہوں اسراف اور تکبر۔

اسلام کے نقطہ نظر سے لباس فقط ضرورت بھر ہونا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو فالتو لباس سے احتراز کیا جانا چاہیے کیونکہ یہ اسراف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے مقدرت کے باوجود محض تواضع کے خیال سے کوئی فالتو لباس پہننا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سب لوگوں کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ ایمان کا جو لباس چاہے انتخاب کرے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک بھونٹا مرد کے لئے اور ایک اس کی زوجہ کے لئے اور تیسرا جہان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے یعنی گھر کے افراد اور جہانوں کے لئے بھونٹے رکھنا جائز ہے اور ضرورت سے زیادہ رکھنا درست نہیں۔

۳۔ شہرت و تکبر نہ ہو :- غرور و تکبر اور تکلف و تضحیح سے بھی اسلام سختی سے روکتا ہے اور آنحضرتؐ نے لباس میں ان کی خصوصیت سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپؐ

کا ارشاد ہے کہ کھانسی ہو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک اسراف و تکبر کی آمیزش نہ ہو

اسلام سے قبل عربوں میں میں دستور تھا کہ امراء اپنی شان دکھانے کے لئے تہمد کو آنا لبا رکھتے تھے کہ زمین پر گھسٹنا چلا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کی اور فرمایا کہ جو شخصیں تکبر کے طوق پر تہمد گھسٹے گا اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ ایک

شخص اترنے کے طور پر نمود گھسیٹ رہا تھا۔ وہ زمین میں دھنسا دیا گیا۔ جب وہ
قیامت تک زمین میں دھنسا ہی چلا جائے گا۔

بلبلوں اپنی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ جو نہ نہایت اعلیٰ ہوا اور نہ ہی بہت
ادنیٰ۔ کیونکہ اعلیٰ کپڑوں سے بھی نمودار ہوتی ہے اور گھسیٹا لباس بھی نمائش کا
موجب بننا ہے۔ لوگوں کا نظریں رہتی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہ کوئی صاحب

کالا درتازک الذا شخص ہے اسی لیے آنحضرت نے لباس شہرت کی حالت فرمایا ہے یعنی
کپڑے کے طویل ہونے کیلئے کہہ کر کے پہننا مثلاً جو شخص عالم تو نہ ہو مگر
علماء سے کپڑے پہن کر لوگوں کو اپنا عالم ہونا چاہے یا جو درویش تو
نہ ہو مگر لباس کپڑے پہنے جس سے لوگ اسے درویش سمجھیں۔ چنانچہ آپ
نے فرمایا کہ جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو
ڈالت کا کپڑا پہنا دے گا۔ آنا بے ن جس سے ستر ہو جائے اور حفاظت جسم کا موجب
فرض ہے اور اس سے زائد کسی سے زینت مقصود ہوا خدا کی نعمت کا اظہار
ہونا ہو منتخب ہے۔ لیکن اس قسم کا لباس پہننا کہ انسان میں غرور و تکبر پیدا ہوتا
ہے۔ ایسے لباس جس کے پہنے سے اپنی اعلیٰ حالت میں غیر محسوس ہو اور انسان
دوسروں کو جو کہے یاں ویسا لباس نہ ہو بے قدر وقارت دیکھنے لگے کپڑا
پہنے۔ آپ نے فرمایا کہ لباس فاترہ ترک ایمان کا ذمہ ہے

میں ایک شعر ہے کہ اسلام سے آگے کسی خاھر و صلح کے لباس کو حکم نہیں
تو بائبل میں ہے کہ لباس میں عادات و اطوار کی طرح کسی غیر قوم کا تشبہ
جائز نہیں۔ چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ جو شخص جس قوم سے تشبہ کرے وہ
انہی میں سے ہے۔ لہذا تشبہ بقوم فہو منہم۔ لباس میں تقار اور
فلق و خبار سے مشابہت بستی ہے اور اہل اصلاح و تقویٰ سے مشابہت اچھی

ہے۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو کفار اور عداوت و فحاشی سے اس طرح ممتاز نہ کرے کہ پہننا یا جاجا بیگے اور بیہوشی جیسا اس کے لباس سے غیر مسلم ہونے کا اس پر شبہ نہ ہو۔ اس لیے پیش نظر حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے اپنے لشکریوں کو یہ فرمان بھیجا تھا کہ تمہیوں کے بھینس سے بچو ان عیسیٰ وضع قطع نہ بنایا۔
عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے کپڑے کے رنگے ہونے پر سے چپے دیکھا تو فرمایا یہ کافروں کے کپڑے ہیں انہیں مٹانا بہنو۔ میں نے کہا انہیں دھو کر ادا فرمایا جلا دو۔

اسلام میں اسی طرح مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے تشبیہ کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ جو مرد عورتوں کا اور جو عورتیں مردوں کا تشبیہ کریں ان پر لعنت ہے۔ اسی بنا پر سونا اور ریشم جو درپردہ آرائش ہیں۔ مردوں کے لیے ممنوع ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ آنحضرتؐ فرمایا کہ سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہے اور مردوں پر حرام ہے حضور اکرمؐ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپؐ نے اتار کر پھینک دی اور اسے انگارہ سے تشبیہ دی۔ اسی طرح آپؐ نے ریشمی لباس کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا۔ اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ البتہ حضور اکرمؐ نے چار انگلی ریشم پہننے کی مرد کو اجازت دے دی ہے۔

ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے جو لباس مقرر کیا ہے وہ دراصل تقدلی کا لباس ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے **وَلَا تَقْبَلُوا لَهُ سُلُوكًا خَيْرًا** اور تقدلی کا یہ لباس ہی بہتر ہے، اس لیے اسلام نے یہ بھی تقاضا کیا ہے کہ ظاہر کی اصلاح باطن کی اصلاح پر مقدم نہ ہونی چاہیے اور پھر باطن کی فحاشی

تبدیلی کے مطابق ظاہر کی تبدیلی بھی کہتے چلے جانا چاہیے۔ ورنہ محض اپنے کو ظاہراً ایک منقح انسان کے نقشہ پر قہال لینا اور دل میں تقویٰ پیدا نہ ہو اسی طرح ہوگا جیسے تانبے کے سٹے پر سونے کا طبع کر دیا جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تبلیغ پر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے۔ مگر آپ نے پہلے اپنی پوری توجہ تزکیہ نفوس اور مسلمانوں کی باطنی اصلاح اور ان میں تقویٰ کی صفات پیدا کرنے میں صرف کی اور پھر پندرہ سولہ برس بعد جبکہ ان کا باطن درست ہو گیا آپ نے ظاہر کے متعلق ہدایات جاری کیں۔ چنانچہ لباس وغیرہ کے بارے میں آپ کے ساری احادیث مدنی زندگیا کے آخری پانچ چھ برسوں کی ہیں۔

قوائد و ثمرات | لباس کے بارے میں اسلام نے جو احکامات دیئے ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان ایسی وضع قطع اختیار کرے جسے دیکھ کر ہر شخص اندازہ کر سکے کہ اس وضع کا حامل حقیقی مسلمان ہے اور اس کے لباس سے تقویٰ کا اظہار ہوتا ہو۔ اس سے انسان نہ صرف اسلام کی صحیح نمائندگی کرتا ہے بلکہ اللہ کی رضا و خوشنوی بھی حاصل کر لیتا ہے۔

۵۔ آداب مجلس

مفہوم | مجلس بمعنی بیٹھنا اور مجلس بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں دو یا دوسرے زیادہ افراد باہم بیٹھنے سے مجلس قائم ہوتی ہے۔ مجلس میں بیٹھنے بیٹھنے کے بعض اصول ہیں۔ جنہیں آداب مجلس کہتے ہیں۔

اہمیت و ضرورت | مجلس ایک تمدنی اور معاشرتی تقاضا ہے۔ جہاں

انسان ایک معاشرے کی صورت میں رہتے ہیں، باہمی معاملات کے لئے مجلس ضرور قائم ہوتی ہے۔ ایک اچھی مجلس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس میں تہذیب و شائستگی پیدا ہو اور ہر شریک مجلس کا حق پورا پورا ادا ہو اور مجلس باہمی ارتباط پیدا کرنے کا سبب ہو اور اپنی مقاصد کے لئے شریعت نے مجلس کے آداب مقرر کیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس گاہ عموماً مسجد ہوتی تھی۔ خلافت راشدہ میں بھی مجالس مسجدوں میں منعقد ہوتی تھیں بلکہ آج تک یہی دستور چلا آتا ہے کہ اسلامی تقریبات کے انعقاد اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی امور پر غور و خوض کے لئے مساجد میں ہی مجالس قائم ہوتی ہیں۔ اسی لئے اسلام میں مجلسی زندگی کی اولین تربیت گاہ مسجد ہے اور اسلامی آداب مجلس، آداب مسجد سے ہی اخذ ہوتے ہیں۔

آداب قرآن و سنت کی روشنی میں مجلس کے مندرجہ ذیل ضروری آداب سامنے آتے ہیں۔

۱۔ **شمولیت** :- مجلس میں سب سے پہلے آنے والے کو سب سے آگے بیٹھنا چاہیے اور بعد میں آنے والے کو جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ آگے جگہ خالی چھوڑ کر پیچھے نہ بیٹھنا چاہیے اور نہ ہی بعد میں آنے والے کو جمع چیر کر یا کند ہوں پر سے گذر کر آگے جانا چاہیے۔ کیونکہ اس سے پہلے بیٹھنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسے کرنے والے کے ذہن میں غرور پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں جمعہ کے سلسلے میں دوسروں کی گردنوں کو روند کر آگے بڑھنے کو خصوصاً منع کیا گیا ہے۔ اسلام دراصل مجلس میں مساوات قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

۲۔ **بیٹھنے کا حق** :- مجلس میں جو شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی اس کا حق ہے

ہذا اگر وہ کسی ضرورت سے اٹھ کر جائے تو واپس آنے کے بعد دوسری جگہ کا عقلمند ہوگا۔ کسی دوسرے کو وہاں نہ بیٹھنا چاہیے۔

اسی طرح مجلس میں کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا بھی درست نہیں کیونکہ اس طرح دوسرے کے دل میں گزرت پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ بیٹھنے کے اصول:۔ مجلس میں اس طرح نہ بیٹھنا چاہیے کہ ہر مجلس اور دوسرے کے درمیان حائل ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کچھ لوگ مجلس میں حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوں تو کسی کو اس حلقہ کے وسط میں نہ بیٹھنا چاہیے۔ آنحضرتؐ سے ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ کیونکہ اس طرح بعض کی طرف اس کا منہ ہوگا اور بعض کی طرف کمر اور یہ صورت تہذیب کے خلاف ہے۔

اگر کسی مجلس میں دو شخص ہا ہم مل کر بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان بیٹھنا درست نہیں کیونکہ اس طرح ان کا الگ الگ کر دینا تکلم کا باعث بنتا ہے۔ مجلس میں جو جگہ معزز ہو وہاں یا اس کے قریب بلا اجازت نہ بیٹھنا چاہیے۔ مجلس میں کسی کے گرد یا سامنے کھڑا رہنا بھی ٹھیک نہیں۔ یہ عجمیوں کی عادت تھی۔

۴۔ کشادگی:۔ مجلس میں اس طرح بیٹھنا چاہیے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ باقی رہے اور اگر آدمی زیادہ آجائیں اور جگہ کم ہو تو گنجائش پیدا کر لینی چاہیے۔ مثلاً اگر صفوں کی صورت میں بیٹھے ہوں تو تنگ تنگ ہو جانا چاہیے اور اگر حلقے کی شکل میں بیٹھے ہوں تو کھل جانا چاہیے تاکہ جگہ پیدا ہو جائے۔ قرآنی حکیم میں اس کی یوں تلقین کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَسَبَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَاسْبَحُوا
يَسْبِحِ اللَّهُ لَكُمُ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَسَبَّحُوا
اِسے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی کرو، اللہ تمہارے لئے کشادگی کرے گا۔

النَّزْوَانِ فَانْشُرُوا (المجادلہ) اور اللہ کے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ
 ۵۔ نیکوئی کی صحبت۔ انسان پر سب سے زیادہ آخر صحبت کا ہونا ہے۔ انسان
 جس طرح کے ہم نشین کی پسند کرتا ہے اس سے اس کے بعد ان کا پتہ چلتا ہے۔ اور
 انہی سے اس کے کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو ہمیشہ نیک اور صالح
 لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمہاری لپٹے و دست کے وہیں پر ہوتا
 ہے اس لئے ہر شخص کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کسی سے دوستی کو کتا ہے پھر فرمایا کہ
 اچھے ہم نشین اور میرے ہم نشین کی مثال مشک بیچنے والے اور لوہار کی بھٹی کی
 ہے۔ مشک بیچنے والے کی صحبت سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور حاصل ہوگا یا اس کو
 خریدو گے یا کم از کم اس کی خوشبو سونگھتے رہو گے۔ مگر لوہار کی بھٹی سے تھلا
 گھر یا کپڑا جل جائے گا یا کم از کم تمہارے دامان میں اس کی ناگوار بو پہنچے گی۔
 ۶۔ پاکیزگی و تقدس۔ مجلس کو پاکیزہ و مقدس رکھنا چاہیے اور کوئی ایسی بات
 نہ سر نہ ہونی چاہیے جس سے مجلس کے تقدس کو نقصان پہنچتا ہو۔ اس کے پیش نظر کسی
 مجلس میں برہنہ اور چیز ٹھیکے پیاز، ہنس وہ کھا کر جلنے یا وہاں بیٹھ کر نقصان کی
 ممانعت کی گئی ہے۔

اسی طرح مجالس میں لغو و بے پروہ اور بے مقصد گفتگو کرنا اور شور و غل بھی درست
 نہیں ایسی گفتگو ہونا چاہیے۔ جس سے فخر کاغے مجلس منتضد ہوں۔ ہنس مطلق
 بھی اخلاقی درود کے اندر ہونے چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی کلمہ کوئی مجلس ذکر
 خدا سے خالی نہیں ہو۔ حضور اکرم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ ایسی مجلس سے اٹھتے
 ہیں۔ جس میں خدا کا نہیں نہیں ہمارے گویا کی گھسے کی کشتوں کے سرانے
 سے اٹھتے ہیں اور ان کے حصے میں حیرت آتی ہے۔

۱۔ سرگوشی کی ممانعت:۔ مجلس میں بیٹھ کر آپس میں کلام پھوسنی نہ کرنی چاہیے۔

اس سے دوسروں کو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ سب اول وہ بات اپنی کے بارے میں کہی جعفری ہے۔ یہ طرز عمل منافقین کا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی مذمت ہوں بیان ہوئی ہے۔

اِنَّ الْمَلٰٓئِیْہِیْمِیْنَ یَلْمِزِیْنَ
لِیَحْزَنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَیَصْنَعُوْا رَاہِجًا لِّہٖۤ اٰیٰتِہٖۤ
وہ جو کانا پھوسنی ہے سو شیطان

کا کام ہے کما بیان ملاحظہ کرو لیکر اسے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ تمیسرے آدمی کو چھوڑ کر
دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ اس سے تیسرا ٹھگین ہوگا۔

۲۔ راستہ کی مجلس:۔ راستے یا کسی گزرگاہ پر مجلس قائم نہ کرنی چاہیے کیونکہ
یہ مقام کے خلاف ہے اور گزرنے والوں کے لئے بھی رکاوٹ کا باعث بنتی

ہے۔ البتہ اگر ایسی مجبوری پیش آجائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ چیتہ بانوں کی پابندی ضروری ہے۔ یعنی نگاہیں نیچی رکھنا، ضرور سناں

چیراؤں کو راستہ سے ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا، بری باتوں
سے متہ کرنا، بھولے ہوں کو راستہ بتانا اور مصیبت زدوں کی مدد کرنا۔

۹۔ مجلس کے راز:۔ آداب مجلس میں سب سے آخری لیکن سب سے اہم بات
یہ ہے کہ ہر مجلس کے کچھ راز ہوتے ہیں۔ انہیں امانت سمجھنا چاہیے اور ایک مجلس

کے راز دوسری جگہ بیان نہ کرنا چاہئیں کیونکہ اس سے مجلس کا شیرازہ منتشر ہو جائے
گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَلْحَبَابُ لِمَنْ بِالْاَمَانَةِ عُلِّیْنَ اَمَّا كَیْ سَمِعَہِیْ

آداب مجلس کو ملحوظ رکھنے سے انسان بڑے لوگوں اور کسی
فوائد و نثرات

بڑا بھول سے بچ جاتا ہے۔ معاشرے میں خوشگوار ماحول پیدا
ہوتا ہے۔ اللہ کی رضا و خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے جو سب سے بڑی دولت ہے۔

حقوق و فرائض

• ————— والذین و اولادهم

• ————— ریشہ دار

• ————— ہمسایہ

• ————— ارباب و شاگرد

• ————— شہری

حقوق و فرائض

حقوق و فرائض وہ مراعات ہیں جو انسان کو دوسروں کی جانب سے حاصل ہوتی ہیں اور فرائض وہ ذمہ داریاں ہیں جو دوسروں کے لیے اس پر لازم آتی ہیں۔ خود و فرائض لازم و ضروری ہیں۔ ایک کے حقوق دوسرے کے فرائض ہیں۔

حقوق کی اقسام | حقوق کی بنیاد کا طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک حقوق اللہ، یعنی وہ ذمہ داریاں جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہم پر لازم آتی ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ دوسرے حقوق العباد یعنی وہ ذمہ داریاں جو دوسرے انسانوں کے لیے ہم پر عائد ہوتی ہیں جیسے حقوق والدین، حقوق اولاد، حقوق زوجین، حقوق اقارب، حقوق یتیم، حقوق شہری وغیرہ۔

حقوق العباد کی اہمیت | اگرچہ تمام حقوق کی ادائیگی انسان پر فرض ہے مگر اسلام میں حقوق العباد کو اس وجہ سے اہمیت حاصل ہے کہ انہیں حقوق اللہ پر قربت دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کے حقوق ادا نہیں کرتا تو خدا چاہے تو اسے معاف کر دے مگر جو شخص بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ وہ بندہ اسے معاف نہ کرے گا۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ انسان حقوق اللہ کو فراموش کر بیٹھے اور حقوق العباد میں ہی لگا رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بغیر حقوق اللہ کو ادا کرنا ممکن نہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی ایک فطری تقاضا ہے۔ مثلاً والدین کے اولاد پر بے شمار احسانات ہوتے ہیں۔ پیدائش سے پہلے ہی پرورش اور تعلیم و تربیت کے تمام مراحل طے کر لے ہیں والدین طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے، والدین کی اس بے لوث محبت اور بے حد و کنار احسانات

کے بدلے میں اولاد کی طرف سے ان کے حقوق متعین ہوتے ہیں، اس طرح اولاد سے والدین کے بہت سے فسادات والبتہ ہوتے ہیں مثلاً جذبہ محبت کی تسکین بقائے نسل کو خوشی مانگنا، زندگی میں اللہ سے خدمت و معاشرت کی امید، اسی سے حقوق اولاد قائم ہوتے ہیں، اسی بہت سے نزدیکین رشتہ دار، ہمسایہ، شہری اور دیگر افراد کے معاشرہ کے حقوق مقرر ہوئے ہیں اسلام نے جو حقوق العباد متعین کیے ہیں وہ زیادہ معقول، منصفانہ اور مکمل ہیں مثلاً اسلام نے حقوق العباد کی تعمیر میں بڑوں اور چھوٹوں سب کو مناسب حقوق دلائے ہیں یعنی اگر ہم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَنْ لَمْ يُؤْخَرْ بِصَغِيرٍ فَاذْ لَمْ يُؤْخَرْ كَيْفَ نَأْتِيْنَا قَلْبِيْنَ مَنَا) (وہ ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا)۔

اسلام میں حقوق العباد کو اس حدود و وسعت حاصل ہے کہ نہ صرف دوسرے تمام نسلوں بلکہ خود اپنی ذات کے بھی حقوق انسان پر عائد ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فَإِنَّ لِفَعْدِكَ عَلَيْنَ حَقًّا (بیشک تیری جان کا بچہ پر تو بہت حق ہے یہ ہے کہ اس کی صحت کا خیال رکھا جائے اور اس سے خدا کی رضا و خوشنودی کے کام لے لیا جائے)۔ حق العباد کا یہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ نہ صرف انسانوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے حیوانات، نباتات اور جمادات سب کے انسان پر حقائق ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی قدرتی حالت و نما اور ترقی کے لیے مناسب انبیا فرام فرم کرے اور یہ کہ ہمیں غرض اور منفعت کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے ان سے وہی کام لیا جائے اور بے موقع صورت نہ کہا جائے۔ اسلام میں حقوق العباد کی ایک خاص ترتیب بھی مقرر کی ہے اور حقوق کو سب انسان کے تعلقات کی کمی بیشی اور دوری و نزدیکی کی تدریج و ترتیب کے لحاظ سے متعین کیا ہے مثلاً ایک حیوان کے مقابلے میں ایک انسان کا ایک اجنبی کے مقابلے میں ایک دوست کا اور ایک خیر کے مقابلے میں اپنے کا حق زیادہ ہے مگر حقوق کی یہ ترتیب حق و انصاف کا کیا تقاضا ہے اگر کوئی عزیز سے عزیز بھی باہل پر ہو تو اس کے مقابلے میں اس بیگانے کو ترجیح

وہی جہاں پر ہے۔

حقوق العباد کی ادا کرنے کی قرآن و احادیث میں حد درجہ تاکید کی گئی ہے اور ان
کا شکر اور صفائی بہا و ثبات کا بھی یہ تقاضا ہے کہ حقوق العباد کی اہمیت کو ملحوظ رکھا
جائے اور ان کی تازگی ترتیب کے اعتبار سے اس میں ادا کیا جائے۔
قرآن و حدیث میں حقوق العباد کی ادا کرنے میں انسان کی رشتہ پروردار اور خیر کی نگاہ
منظر ہے۔

حقوق والدین

مفہوم | حقوق والدین سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کو والدین کو اولاد کی طرف
سے حاصل ہونے والی یا ان سے پیدا ہونے والی رشتہ دار یا ان میں جو اولاد پر والدین کیلئے عائد ہوتی ہیں
اہمیت زیادہ ہے۔

حقوق والدین کی اہمیت کو شمار ہم ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔
حقوق والدین کی اہمیت اسی بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ
ان قریب ترین رشتہ داروں کی تعلقات میں انسان کا سب سے زیادہ تعلق والدین
سے ہوتا ہے اور تمام رشتہ داروں میں سب سے بلند درجہ والدین کا ہے کیونکہ انسان کی
باقی تمام رشتہ داریاں یا تو باپ کے تعلق سے ہوتی ہیں یا پھر ماں کی وساطت سے تعلق
رکھتی ہیں۔ اس لیے یہ رشتہ دار کا حق بھی والدین سے نسبت اور قربت کے لحاظ سے
متین کیا جاتا ہے۔ جتنا کوئی قریب کا تعلق رکھتا ہو اسی قدر زیادہ وہ امن سلوک کا
مستحق ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے خود والدین کو سب سے زیادہ حقوق حاصل ہوتے۔

والدین کے انسانانیت پر بول بھی دیکھا جائے تو والدین کے انسان پر اس
قدر احسانات ہوتے ہیں کہ انسان ان کی خدمت

Marfat.com

میں تمام عمر بھی صرف کریمت کے لئے اور انہیں کو بھلا سا اولاد کی پرورش میں صرف کریمت کے لئے یہاں
 پر صرف ان کے لئے چھوڑیں اور انہیں کو بھلا سا اولاد کی پرورش میں صرف کریمت کے لئے یہاں
 کی بھلائی میں اٹھاتے اور قسم قسم سے ہم پر ہاتھ پائی کریمت میں ذرا اللہ کی بھلائی اور دن کا اہم
 بچوں کیلئے نثر بان کریمت میں اور ہر قسم کے بھائی و مالی ایثار و قربانی کے لئے ہر وقت
 اہم ہے۔ یہ سب میں بچپن میں بحسب انسان کو سہاڑے کی ضرورت ہوتی ہے تو سہارا دینا
 ہے۔ گھلانے پلانے اور پھیلانے میں اور اگر بچے کو ذرا بھی بھلائی ہے تو وہ
 بڑھتا ہے میں کئی کئی گنا بڑھتا ہے۔ بچے کو اولاد کی تعلیم و تربیت میں اپنی بھلائی کی
 بھائی کو انتہائی ذرا خدلی سے طرہ کریمت میں والدین کی سب سے بڑھ کر سہاڑے انسان کے
 بھائی و مالی ایثار و احسان کا کارہ چکانا ممکن نہیں۔ لہذا اس کے لئے ہر قدر بھلائی
 کی جائے بہتر ہے۔

۳۔ کتاب و سنت میں تاکید اس حقوق والدین کی اہمیت نہ صرف ان کے لئے بلکہ مسلمان
 ہے بلکہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں بھی اس کی بہت تاکید ہے۔ قرآن پاک میں
 میں متعدد مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور اکثر جگہ والدین کا ذکر
 تو حید باری تعالیٰ کے ذکر بعد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

رَبِّ انْشُرْ لِي وَاٰلِيَیَکَ (یعنی) تو میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر لے تو
 ایک دوست سے تمام پر ارشاد فرمایا
 وَتَقْبَلُ رَبُّکَ اِلَیْکَ تَعْبَلُ وَاٰلِکَ اٰیٰتَا
 وَبِالْوَالِدِیْنَ اِحْسَانًا
 (یہاں اس لئے) والدین کیساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی عظمت اعلان کی ہے کہ ہر مرتبہ تمام کو واضح فرمایا
 ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ خدا کی خوشی مال باپ کی خوشی ہے اور خدا کی ناراضگی

مال باپ کی نرا ہنگی سے۔ آپ سے متوق والدین کی اس قدر اہمیت بیان فرمائی کہ آپ نے فرمایا "والدین کا حق کبھی نہیں چکا جا سکتا۔ مال ایک صوت ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی کے غلام بھول تو انہیں خرید کر آزاد کرانے۔"

۴. والدہ کا مقام : نہ اسلام نے والدین میں بھی والدہ کا مقام بہت زیادہ بلند قرار دیا ہے اور والدہ کے متوق والد کی نسبت زیادہ مقرر کیے ہیں۔ کیونکہ اولاد کی پرورش و تہذیب کے لیے عموماً والدہ کا لیون والدہ کے پیش آتی ہیں۔ والد کو نہیں آتیں۔ حمل وضع حمل تہذیب سنتہ کے دیگر مراحل کی خدمت نکالین برداشت کرنا فقط والدہ ہی کا حصہ ہے۔

قرآن پاک نے والدہ کی خدمت کا ذکر کیا ہے :-
 وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
 حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰی
 وَهْنٍ وَفِصْلَہٗ فِی سَمٰنٍ
 (الانعام: ۴)

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ اس کی ماں نے ہنسنے سے عفت اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیشتر احادیث میں والدہ کے مقام کی بیان فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا تیری ماں اس نے عرض کا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں نہیں آپ سے ہی بھلا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تیرا باپ (یعنی اگر حسن سلوک کے چارہ موافق ہو تو تین کی مقدار مال سے۔)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سب سے پہلے مال کی نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے خدا نے مال کی نافرمانی تم پر حرام سے (یعنی اگر کسی) نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ نیک سلوک اور عمدہ برتاؤ کی سب سے

زیادہ خندمال ہے۔

والدین کے حقوق

قرآن و سنت اور تعلیمات اسلام کی روشنی میں والدین کے مندرجہ ذیل حقوق

ثابت ہوئے ہیں۔

۱۔ حسن سلوک والدین کا ساتھ بڑا عزیز ہے کہ ان کے ساتھ بھون بھونکے سے بچیں

آپا بھائیوں کا ادب و احترام کیا جائے اور نہایت محبت و شفقت سے کیا جائے۔ گھنگر اور بات چیت نیز اس لئے بدلتے ہیں کہ ان کی عزت و تکریم کی جائے اور ان کی کلمت بات نہ کہی جائے بلکہ اگر کوئی سخت بات کہے تو اسے خاموشی سے سہج کر دیا جائے۔ کر لیا جائے۔ بالخصوص بچپن میں تمہیں اللہ ان کے مزاج میں برپا ہے اور تمہیں اللہ سے معمولی معمولی بات پر غصہ نہ لگتا ہے اور عادات بگول کی طرح ہو جاتی ہیں تو اس وقت ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے گفتگو کے ساتھ پیش آنا چاہئے اور ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

جدا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
يَلْفَنُ عِنْدَ الْكَبِيرِ
هُمَا أَوْ كَرِهِيَا نِلَا نَقْل
لَهُمَا أَفِ وَلَا تَهْوَاهَا
قُلْ لِلَّهِمَا فَوْكَا كَرِهِيَا

اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے بچیں
آؤ ساگر ان میں سے ایک یا دونوں کو چھو
کہ پہنچ جائیں تو انہیں اٹھانے سے بچیں
اور زمان پر غصہ نہ کرو اور ان کے ساتھ ادب
سے برادر اور ان کے لیے امانت کو یاد رکھیں

حَفِظْنَا نَهَا جَنَامَ الدَّالِي مِنَ الدَّالِي وَنَا جَنَامَ الدَّالِي مِنَ الدَّالِي ۲۳-۲۴

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے آپ کا ارشاد ہے کہ وہ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے کہیں اور اللہ سے دعا کریں

اھم سم لیا اللہ ان کو حکم دیا ہے کہ وہ والدین سے
 بے عزت نہ ہو بلکہ ان سے محبت رکھے اور اگر وہ
 نہیں محبت کرے گا کہ تم میرے ساتھ ہو
 کہ شریک ہو اور جو تمہیں علم نہیں علم نہیں تو تم ان
 کی اہل سعادت نہ کہو

وَوَقَّيْنَا لِلنَّاسِ ذُرِّيَّتَهُمْ
 حَسْبًا وَفِرَانًا جَاهِلًا لِّمَشْرِكِ
 نِي مَا كُنْتُمْ لَكُمْ بِهِ عِلْمًا
 قُلْ لَا تَطْعَمُوا حَسْبًا

والقرآن

آنحضرت نے بھی والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کی ہے اور فرمائی ہے کہ آپ
 کا ارشاد ہے کہ والدین کی اطاعت نہ کرنا کفر ہے اور والدین کی نافرمانی خدا
 کی نافرمانی ہے۔ آگے کا یہ بھی ارشاد ہے کہ خدائے تعالیٰ تم پر بالی باپ کی نافرمانی کو
 حرام کر دیا ہے اور جو شخص بال یا پ کی نافرمانی کرے اسے اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا
 نیز آگے آجیہ حدیث بھی والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں سے بتایا ہے۔
 صحیح مسلمی و صحیح بخاری میں ہے کہ والدین کا کبیرا حق ہے کہ ان کی مالی و جسمانی طرح

سے خدمت کی جائے۔ والدین اگر بیمار یا بوڑھے ہوں تو انہیں تمام ضرورتیں
 زندگی مثلاً روٹی کپڑا وغیرہ ہم پہنچانی جائیں جب وہ بیمار ہوں تو ان کا علاج کرایا جائے
 غرض ان قسم کی امانت و خدمت کی انہیں ضرورت ہے پورا کیا جائے اور ان کی تمام
 تکلیفیں کا ازالہ کر لیا جائے کہ شمس کی جائے۔ والدین کی مالی خدمت بعد از اعداد کے ہوتے

ہیں قرآن پاک نے بھی ہاکیہ کی ہے فرمایا

قُلْ مَا أَلْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ
 فَلْيُوا لِوَالِدَيْكُمْ ذُلًّا قَرِيبًا
 وَالْبُغْرَا

(اسے نبی) کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ
 کرو وہ والدین اور رشتہ داروں کے
 لیے ہے۔

والدین کی خدمت کے بارے میں نبی کریم سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ایک
 شخص نے نبی کریم سے کہا کہ میں نے اپنے والدین کو کھانا دیا تو آپ نے فرمایا

مال سے اور میرا باپ میرے کا محتاج ہے آپ نے فرمایا تھا اور تیرا مال دو لوگوں کے
 باپ کی ملکیت میں تمہاری اولاد تمہاری پاک کھائی ہے اس لیے تم اپنی اولاد کی کھائی
 سے بیشک کھاؤ (البوداؤد)

متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حالات میں والدین کی خدمت جہاد
 سے بھی افضل ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص من سے آیا اور اس نے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے
 مال باپ ہیں؟ عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا جاؤ پہلے ان سے اجازت حاصل
 کرو اور اگر وہ اجازت نہیں تو ان کے حکم کی تعمیل کر کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک
 اس کی بندگی کے بعد خدمت والدین سے بہتر اور کوئی عمل نہیں ہے۔ پھر آپ کا یہ
 بھی ارشاد ہے کہ سب سے بڑا جہاد مال باپ کی اچھی طرح خدمت کرنا ہے۔

۴۔ اقربا سے سلوک: والدین کا پورا حق یہ ہے کہ ان کے تمام رشتہ داروں

بلکہ دو تینوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور انہیں احسانات سے لانا جائے۔ والدین
 کے اقربا اور احباب سے حسن سلوک صرف والدین کی زندگی میں ہی نہیں بلکہ ان کی وفات
 کے بعد بھی کرنے رہنا چاہئے کیونکہ اس طرح ان کی نعروں کو سکون حاصل ہوتا ہے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امر کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک شخص
 نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد
 ہو گیا ہے کیا میرے لیے کوئی توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہاری مال زندہ ہے؟
 عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کیا تمہاری حال سے بوجواب دیا ہاں آپ نے
 فرمایا کہ اس کے ساتھ نیکی کر (ترمذی) ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے
 چچا کو پہنچا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ چچا باپ کی مثل ہوتا ہے (ترمذی) نیز
 ایک موقع پر آپ نے حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ چچا

بھی تو باپ کے مثل ہوتا ہے

دربندی

۵۔ دعائے مغفرت : والدین کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اولاد ان کیلئے بخشش و مغفرت کی دعا کرتی رہی اور تلافی تھوڑی پاک اور دعاؤں سے انہیں ثواب پہنچاتی رہی۔ اس طرح ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ والدین کے لیے دعائے مغفرت کرنا انبیاء کی سنت ہے۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کی ان دعاؤں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے والدین کیلئے مانگیں۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مسلمانوں کو بھی اس کی تلقین کی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

قُلْ رَبِّ رَحْمَهُمَا كَمَا
رَبَّبْنِي صَغِيرًا

کہو کہ اے پروردگارا! تو ان پر رحم کر
جیسا کہ تُو نے مجھے (چھوٹے) پروردگارا

بچپن میں پالا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امر کی تاکید کی ہے چنانچہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ”یا رسول اللہ کیا والدین کی وفات کے بعد بھی ان کا کوئی حق ادا کرنے کے لیے رہ جاتا ہے؟“ آپ نے فرمایا ”ہاں“ ان کے لیے نماز پڑھنا اور استغفار کرنا، ان کے وعدوں کو پورا کرنا، ان کے قرضوں کو ادا کرنا اور ان کے گناہوں کی مغفرت کرنا اور ان کی تعلیم کرنا۔ نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ”کسی بندے کے والدین یا ان میں سے ایک مر جاتا ہے اور وہ ان کا فرما نبردار ہوتا ہے پھر وہ ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سعادتمندوں میں لکھ لیتا ہے

ثمرات و فوائد

والدین کے ساتھ حسن سلوک، ان کی اطاعت و خدمت، ان کے حقوق

قائم کیے ہیں، وہ دیگر تمام مذاہب کے مقرر کردہ حقوق کی نسبت زیادہ متحمل و مضمانہ
 اور بڑے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں ظالمین بزرگوار اور بڑوں کا کٹھن خیالی ہے کہ ان کے پاس ہے
 لیکن اولاد، بچوں اور چھوٹوں کو عام طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ
 ہے کہ بعض بزرگ بچوں کو زندہ مار دیا جاتا ہے یا دیوتاؤں کی نذر چڑھا دیا جاتا ہے۔
 اسلام نے عین معاشرت کے پیش نظر تقسیم حقوق میں بڑوں اور چھوٹوں کا کوئی امتیاز
 نہ نظر ثنوی رکھا بلکہ چھوٹوں کے بھی بڑوں کی طرح مناسب حقوق قائم کیے ہیں۔
 اس امر کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے
 فرمایا کہ "وہ ہم ہیں سے نہیں جو ہم سے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی صورت
 نہیں کرتا (ترمذی) اسی اصول کے پیش نظر اسلام نے یہاں والدین کے حقوق
 مقرر کیے ہیں وہاں اولاد کے حقوق میں قائم کر دیے ہیں۔"

۲۔ والدین کے مفادات اور حقوق العباد کی بنیاد احسان کا بدلہ احسان کے

اصول پر قائم ہے اور معاشرتی طور پر ایک کو دوسرے سے سیکھنا سنانا کے بدلہ میں
 حقوق حاصل ہوتے ہیں مثلاً والدین کو اولاد کی طرف سے حقوق اس لیے حاصل ہیں
 کہ انہوں نے اولاد کی پیدائش، پرورش اور تربیت کی ہوتی ہے۔ حقوق اولاد پر
 غور کیا جائے تو یہاں بھی اسی اصول کار فرما نظر آتا ہے اولاد سے والدین کے
 بہت سے مفادات وابستہ ہیں مثلاً، عذیبہ محبت کی تسکین کی خوشی، آسنا زندگی
 میں ان کی خدمت و معاونت کی امید، دنیا میں نہایت نامی و شہرت کی
 توقع اور اسمت میں صلاح اولاد کی صورت میں سہرا باری وغیرہ انہی مفادات
 کی بنیاد اولاد کو والدین کی طرف سے حقوق حاصل ہیں۔
 سادگی و سادگی کی تاکید اور اولاد کی زندگی کی تکمیل اور لشکر و نام کی تاکید ان چیزیں
 اور احادیث نبوی میں بھی موجود ہے۔

اسلام سے قبل نہ صرف یہ کہ اولاد کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اولاد کی زندگی کو بھی کچھ وقعت نہیں دی جاتی تھی اور اکثر نہایت بے رحمی اور سفاکی سے قتل و نسبہ و گدہ گدہ کر دیا جاتا تھا۔ اس کے کئی اسباب تھے پہلا سبب مذہبی تھا کہ لوگ اپنے دلیر تاول اور قبول کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کو ذبح کر کے ان پر بھینٹ چڑھا دیتے تھے اور قرآن پاک نے اسی رسم کا یوں قلع قمع کیا۔

قَدْ كَفَرَ الَّذِينَ بَيْنَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ
سَبِيحًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام: ۱۱۸)
تحقیق وہ لوگ کفار تھے جن میں بہنوں نے
اپنی اولاد کو تا طنی سے لاعلمی میں قتل کیا۔
قتل اولاد کا دوسرا سبب عربوں کا علم فقر و قافو تھا۔ اسلام نے اس لیے بنیاد نظریہ
کی یوں تردید کی کہ روزی رسال تو وہی حالن کائنات ہے جو ہر ایک کو روزی پہناتا ہے
جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً
أَمْ لَاقِيًّا تَحْنُ نَزْدُكُمْ كَاتِبًا
كُمَا نَقْتُلُكُمْ خَطَاً كَبِيرًا
اور اپنی اولاد کو فقر و قافو کے ڈر سے
قتل نہ کرو یہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور
تمہیں بھی بیشک ان کا قتل بہت بڑا گناہ
ہے۔ (سورہ اسرا: ۱۷۲)

اولاد کشی کا تیسرا سبب یہ تھا کہ لوگ لڑکیوں کو لغو و حرافت کی نگاہ سے دیکھتے
تھے اور اپنے نام نہاد رنگ و عمار کے خلاف سمجھتے تھے کہ اپنی لڑکی کسی دوسرے شخص
کے عقد میں دیں۔ اسی سبب سے وہ لڑکی پیدا ہوتے ہی اس کا گلا گھونٹ دیتے یا
زندہ دگر کرتے تھے جیسا کہ قبیلہ بنی تمیم کے سردار قیس بن عامر نے خود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تسلیم کیا کہ اس نے اپنی لڑکیوں کو زندہ دگر کیا تھا
اسلام نے اس قبیح رسم کو بھی ختم کیا اور قرآن حکیم نے بدخون حمل کے دردناک انجام کا

لَقَدْ اِنَّ الْعَاظِمِیْنَ كَیْفِیَا :-

كَذٰلِكَ الْمَوْدُوْدَةُ تَسْئَلُكَ

بِاٰتِیِّ ذَنْبِكَ قَتَلْتُ

اور جب زندہ درگور کی ہوئی سچی سے لڑتا

کے روز پوچھا جائے گا کہ وہ کسی حرم

میں قتل کی گئی تھی

را التکویر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت اولاد ہی کے پیش نظر فرمایا کہ مقتول اولاد
شُرک جیسے بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔

اولاد کے حقوق

قرآن و احادیث سے اولاد کے مندرجہ ذیل حقوق ثابت ہوئے ہیں۔

۱۔ پرورش و رضاعت :- اولاد کا سب سے پہلا حق پرورش کا ہے۔ اسلام نے اولاد

کی زندگی محفوظ رکھنے کے ساتھ پرورش کا فریضہ بھی والدین پر عائد کیا ہے اور اس ضمن
میں تاکید کی ہے کہ وہ تنگی اور افلاس سے نہ ڈریں۔ یہ فریضہ لڑکے کی صحت میں،

بلوغت تک اور لڑکی کی نکاح کی صورت میں فتادی تک ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس دوران بچے

کی صحیح صفائی، نشوونما لباس و طعام اور دیگر باتوں کی پوری پوری خیبر گیری کی جائے

اور اس سلسلے میں ہر قدر مصائب و آلام پیش آئیں انہیں جلدہ پیشانی سے

برداشت کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پرورش اولاد کی بہت تلقین فرمائی ہے اور بالخصوص

لڑکی کے بارے میں خصوصی تاکید کی ہے کیونکہ لڑکی خلتاً ضعیفہ و کمزور ہوتی ہے۔ آپ کا

ارشاد سیکہ لڑکی کی پرورش والدین اور دوزخ کے پرچہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں

ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو وہ

شخص اور میں قیامت کے روز اس طرح ہوں گے جس طرح یہ انگلیاں اور آپ نے

اپنی شہادت کی اور درمیانی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ (مسلم)

ایک موقع پر آپ نے صحابہ کرم سے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو میں بہترین خدمت
سے آگاہ کر رہا ہوں؟ وہ اپنی کہ ساتھ سلوک کرتا رہے جو تیری طرف لوٹا ہی گئی ہو
یعنی اللہ تعالیٰ سے اور تیرے سوا اب اس کے لیے کوئی گناہی والا نہیں۔

(ابن ماجہ)

پرکھش کے ساتھ رعایت بھی اولاد کا حق ہے یعنی پیدائش کے بعد وہ مال
کمپنی کے کو والد کا حصہ پلا یا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلِوَالِدَاتِكُمْ جُودًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُنَّ حَسَنًا ۚ وَوَالِدَاتُكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
هُنَّ خَوَلَاتٌ لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْتَعِمَ بِرَحْمَةِ اللَّهِ ۚ
اور اپنی اپنے بچوں کو پوسے دوسان تک
پلائیں جیسا کہ لکھیے ہے جو رعایت کی
مدت پوری کرنا چاہتے۔

۲۔ تربیت و تہذیب: اولاد کا دوسرا حق تعلیم و تربیت کا ہے۔ جسمانی پرورش کے علاوہ
والدین پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ اولاد کو تعلیم دلائیں اور روحانی و اخلاقی تربیت
دیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آتُوا الْوَالِدِينَ إِحْسَانًا
وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ۚ وَالْإِحْسَانُ إِحْسَانٌ
سے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و
عیال کو (دودخ کی) آگ سے بچاؤ۔

اس حکم خداوند کے پیش نظر والدین پر لازم آتا ہے کہ اپنی اولاد کو حسب استطاعت
اہل و عیال کا تعلیم دلائیں تاکہ وہ اپنی روزی خود کما سکیں، اپنا اہل و عیال کا پیڑ
پال سکیں اور باعزت زندگی بسر کریں۔ اس کے علاوہ دینی تعلیم سے بھی آراستہ کریں
تاکہ وہ صحیح مقصد حیات سے واقف ہو کر نیک سیرت و سعادت مند بنیں اور
قوم و ملک کے مفید افراد ثابت ہوں۔

ہن اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز آدمی کے ساتھ سب سے پہلے جھگڑنے والے اس

کے خیال ہوں گے وہ خدا تعالیٰ سے کہیں گے کہ اے اللہ! جو اس سے ہماری داد سے
مہم ناواقف تھے اور اس نے ہمیں علوم کھلایا ہمیں جو کچھ سکھانا فرماں تھا اس سے نہ کھلایا اور
ہم جاہل رہ گئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں تربیت اولاد کی تاکید فرمائی ہے۔ ہمیں
کہا ہر شاد ہے کہ کوئی باپ اپنے بچے کو جس بلوغت سے بہتر خلیفہ نہیں دے سکتا (ترمذی)
ایک دوسری حدیث میں ہر شاد فرمایا کہ انسان کو اپنی اولاد کو اور بیکار باپ سے کھلایا اور
ماریج (پلے پلے خیرات کرنا) سے بچنے سے (ترمذی) یعنی تربیت کے سلسلے میں اپنے
کلہ نادر ہے کہ جب تمہارا بچہ ساتت ہونے لگے پھر اس کو تیار کرنا چاہیے اور
جب اس برس کے پورے بائیں تو اس میں ہمارا کرنا چاہیے اس وقت جگہ چھو کر
(الموداۃ)

سائنس و محبت: اولاد کا تیسرا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ رحمت و مودت اور
شفقت و محبت کا سلوک کیا جائے اور ان پر شدید بظلم و زیادتی نہ کی جائے۔
اسلام جہاں اولاد کو نکل کر دینے، بقول کی بھیس سے پرہیز کرنے، زور و زبرد کرنے اور
ان پر شدید بظلم کرنے سے نکتا ہے وہاں اس امر کی بھی تاکید کرتا ہے کہ اولاد کے ساتھ
محبت اس قدر شدید بھی نہ ہونی چاہئے کہ انسان خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم
کو پس پشت ڈال دے اور اولاد کی خاطر حرام ذرائع سے روزی کمانے لگے۔ اولاد کو برے
کاموں سے بچانے کے لیے سزاؤں و دواؤں اور نیک کاموں کی تاکید کرنے میں غفلت نہ
نہا کرے۔ وہ حقیقت اسلام اولاد کے ساتھ عقائد سے محبت کرنے کی تعلیم دیتا
ہے جہاں قرآن پاک نے اولاد کو انسان کے لیے انما لش قرار دیتے ہوئے شاد فرمایا
اَلْکَمَاؤُا نَکَہُ کَاوْاٰدِکُمْ
بھیک تمہارے نکاح اور تمہارا اولاد
تہا سے لے انما لش پر۔
رَبَّنَّہُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا تھا۔ اس نے اپنے والد کو دیکھا اور کہا کہ میں نے تم کو دیکھا ہے اور تم نے مجھ کو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس پر تلے ہوں کہ تیرے دل سے نکلے جو رحمت نکال دے اس کو پھر تیرے دل میں رکھے۔ (بخاری و مسلم)

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہؓ کو چھو اور پکارا اور اس نے حضرت اقرع بن جالسؓ سے بھی پچھا تھا۔ اقرع نے کہا کہ میرے دل بیٹے ہیں لیکن میں سنان میں سے نہیں ہوں کسی کو نہیں چھو۔ اس پر حضورؐ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری)

عند اللہ مساوات، اولاد کا ایک حق عدل و مساوات بھی ہے۔ اسلام تمام اولاد میں عدل کرنا اور کامل مساوات قائم رکھنا ضروری قرار دیتا ہے۔ پرورش، تعلیم و تربیت، نعمت و رحمت اور دار و رحمت عزم پر مبنی ہے۔ سب اولاد میں مساوی سلوک رکھنا چاہئے۔ لڑکے اور لڑکی یا بڑے اور چھوٹے کا کوئی کوئی فرق و امتیاز ملحوظ نہ رکھا جائے۔ کیونکہ عدل و انصاف قائم رکھنے سے اولاد کے دل آپس میں بھٹیں گے۔ باپ کے خلاف بھی کدورت پیدا ہو جائے گی اور بالآخر گھر کا شیرازہ بگڑ جائے گا۔

بعض لوگ لڑکوں کی تربیت کا خاص خیال رکھتے ہیں اور لڑکیوں کی تربیت ان سے زیادہ صحیح سلوک کرتے ہیں۔ اسلام نے اسے سخت تالپند کیا ہے اور لڑکیوں اور لڑکوں میں کبھی کبھی سلوک کی تاکید کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امتیاز کو تالپند فرمایا ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا جن شخص کے ہاں کوئی بھی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقہ پر زندہ دین نہیں اور نہ ہی اس کو حقیر جاننا اور نہ لڑکوں کو اس کے مقابلے میں ترجیح دینا اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔

ایسی طرح دنیا کے اکثر مذاہب میں بڑے اور چھوٹے کا فرق رکھا جاتا ہے اور سب سے بڑے لڑکے کو خصوصی حق دیا جاتا ہے اسلام نے اسے بھی تخصیص پسند کیا ہے اور چھوٹے لڑکوں کو باپ کے مال میں یکساں حقدار سمجھا دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکوں میں سے ایک کو باوجود کوئی عطیہ نہیں اور باقیوں کو محروم رکھنے کو ظلم سے تعبیر فرمایا جیسا کہ حدیث ہے:

بیکساں صحابی کے لئے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو خلاص بخشا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا نا چاہا۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے سب بچوں کو ایک ایک فلام بخشا ہے اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا تو میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہ ہوں گا (ابوداؤد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عمل کرو۔

۵۔ رسوم پیدائش اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ پیدائش پر والدین خوشی منائیں اور بعض ضروری رسوم بھی ادا کریں۔ بچہ کی پیدائش کے بعد میں اسلامی رسوم یہ ہیں۔

نوز تحنیک : بچہ پیدائش کے بعد نہلا دھا کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنی چاہئے۔ مرنے سے کہ جب حضرت حنین میں سے ایک صاحب پیدائش کے لئے لو اپنے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں میں اقامت کہی۔ اس کے بعد تحنیک یعنی گجور وغیرہ چبا کر بچے کے تالو میں لگانا مستحب ہے۔

باب حقیقہ : حقیقہ دراصل ان بالوں کو کہتے ہیں جو بچہ کی پیدائش سے آگے کہ سر پر ہوتے ہیں۔ پھر اس جانور کو بھی حقیقہ کہتے لگے جو بچے کی پیدائش کے بعد شکر حضرت کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے۔ حقیقہ ایک قسم کا صدقہ ہے اور ہر شخص پر لازم نہیں بلکہ صرف صاحب حیثیت کیلئے ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ سنت ہے اور زندگی میں کسی وقت بھی ادا کیا جاسکتا ہے ساتوں روز ادا کرنا بہتر ہے اگر اس روز ادا نہ ہو سکے تو چودھویں یا پھر اکیسویں دن ادا ہو سکتا ہے بلکہ اگر والدین کو تمام عمر ادا کر سکیں تو اولاد خود اپنا حقیقہ ادا

کر سکتی ہے۔

حقیقتہً ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ بوجہ نیکو چہرے، بکری، دنبہ (زیادہ) از بچہ کیا جائے
لڑکی کی طرف سے ایک اور لڑکے کی طرف سے دو اور اگر دو کی استطاعت نہ ہو تو ایک
بچہ کو بھی ہے۔ جو عفت کچا یا کچا کر اجاب کا طالب اور فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔
بچے کا سر سنڈا یا چائے اور بالوں کے برابر چاندی عذوق لہول کر دی جائے۔ اس کے علاوہ
بچے کا فونہ پور سن نام رکھا جائے۔

تعلقہ : ختنہ کرنا اسلامی شہادے میں ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
پانچ چیزیں فطرت ہیں۔ زیر ناف بال ہونڈا، ختنہ کرانا، مونچھیں کوڑنا، نعل کئے بال
اکھاڑنا اور ناخنوں کا کلینا۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ختنہ ضروریات دینی سے ہے
بے ختنہ زیادہ سے زیادہ نکاح کی عمر تک ہو جانا چاہئے۔ اس سے زیادہ کا خیر کرنا
مناسب نہیں۔

بہار شادی :- اولاد کا بڑھتی جتنی سچہ کہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو حسب استطاعت
اس کی شادی کا انتظام کریں۔ شادی کر سنے وقت شخص اپنی صلاحیتوں کو مدنظر رکھیں۔
بلکہ اولاد کی رہنمائی حاصل کریں۔ طریقہ میں یہی سیرت صورت، عمر، تعلیم، دین،
خاندان وغیرہ ہیں جس قدر ہم آہنگی و یکسانیت ممکن ہو سکے اور اچھا سا عقلی تلاش کیا جا
سکے بہتر ہے یا کمزوریں لڑکی کیلئے بہتریں شوہر کا انتخاب اللہ ضروری۔
ہے۔ لڑکے کی رضا اس سے پوچھ کر اور لڑکی کی رضا قرآن سے معلوم کی جاسکتی ہے۔
شادی میں اولاد یا کمزوریں لڑکی کی رضا مندی حاصل کرنے پر ضرور اگرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے بہت تاکید فرمائی ہے آپ کا ارشاد ہے کہ کنواری عورت کے نکاح کے
معاہدے میں اجازت حاصل کی جائے وہ خائوش رہے تو ایسی کو اس کی اجازت سمجھا جائے
اور اگر نکاح کرے تو اس پر پھر نہیں کیا جائے۔

ایک مرتبہ ایک سرگرمی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور وہ اس نکاح سے ناخوش ہے آپ نے اس کی کو اختیار کرنے دیا کہ نکاح برقرار رکھے یا توڑ دے (الجر واثرو)

میراث : اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ باپ کی وفات کے بعد اس کی میراث میں حصہ لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے منتقلی حکم دیا ہے کہ تمہارے کو اولاد کیوں سب برابر

يُؤْتِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِيْ كَرِهْتُمْ خَيْرًا مِّنْ اِلٰهِيْنَ

میراث میں اجتناب (النساء: ۱۱)

اسلامی قانون وراثت کے مطابق لڑکے کو لڑکی کی نسبت دو گنا حصہ ملتا ہے اور کسی باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں سے کسی ایک لڑکے یا لڑکی کو یا کل محروم کر دے یا کسی ایک کو یا پھر کو پوری سب اولاد کو حلال بنا جائے۔ بلکہ اسلام سب کے ساتھ عدل کا سلوک کرتا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ دنیا میں اسلام میں وہ پہلا مذہب ہے جس نے لڑکی کو بھی باپ کی جائداد میں حصہ دیا۔
میراث و قرآن

اولاد کی پرورش، تعلیم و تربیت، دوران کے دیگر مصروفیات کی ادائیگی ایک بہت بڑی قسمی و دینی خدمت ہے جس کے دنیا و آخرت میں بہت سے فرائض ہیں۔

نیک اولاد صرف چار بہت نیک اولاد سے دنیا میں نیک نامی حاصل ہوتی ہے آخرت میں اس کی دعاؤں اور نیک اولاد سے والدین کو دوزخ میں لانا اور

۳۔ رشتہ دار

مفہوم | رشتہ دار کے لیے عربی زبان میں لفظ 'اقرب' استعمال ہوتا ہے جس کی جمع اقارب یا اقرباء ہے اور اس کے معنی قریبی یا نزدیک کچھ اصطلاحاً اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو والدین، اولاد اور زوجین کے بعد مائے سائتہ خاندانی تعلق ہوتے ہیں یعنی چچا، پھوپھی، ماما، نانا، خالہ وغیرہ۔

عربی زبان میں رشتہ دار کے لیے "اقرب" کے علاوہ لفظ 'رحم' بھی مستعمل ہے جس کی جمع ازحام ہے اور اس کے معنی ماں کا پیٹا ہیں چونکہ تمام رشتہ دار اولاد کا تعلق والدین سے ہے لہذا اس کے ذریعے سے ہوتا ہے اور والدین میں ماں کا مقام باپ سے بلند ہے لہذا اس لیے اصول طور پر تمام رشتہ دار رحم مادہ کی نسبت سے ہی تعلق رکھتے ہیں اور ارحام کہلاتے ہیں۔ یہی وہ ہے کہ عربی محاورے میں رشتہ دار اول سے حسن سلوک کو صلہ رحمی کا نام دیا جاتا ہے اور ان سے تعلق کو طہنے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں رشتہ دار کے لیے "ذوئی العرabi" اور "ذوئی الارحام" دونوں ہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کا مطلب "قرابتدار اور" رحم والے" ہیں۔

اہمیت

رشتہ دار کی اہمیت مندرجہ ذیل پہلوؤں سے واضح ہوتی ہے۔

۱۔ فطری تعلق : رشتہ داروں کے ساتھ فطری و فطری محبت ہوتی ہے اور ان کے ساتھ فطری قدرتی، حقیقی اور غیر ممنوعی ہفتا ہے اس لیے اگر ہم اپنے طور پر چاہیں اور رشتہ داروں سے الگ ہونا چاہیں تو ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ رشتہ داروں میں اصل اشتراک رحم مادہ ہے برخلاف دوسرے تعلقات کے جو محض قوم و نسل

ہذہب، پیشہ اور دیگر نظریاتی اشتراک پر استوار ہونے ہیں اور ان کے ختم ہونے کا ہمیشہ امکان رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر رشتہ داروں میں کبھی ناراضگی یا کشمکش پیدا بھی ہو جائے تو صلح و سخاوتی کا قومی اسکان رہتا ہے و حقیقت یہ رشتہ داروں کے خاتمہ اور زمین کے باوجود حسب سبب سے متنبہ طور پر ہوتا ہے۔

۱۔ اس حکم کا مقصد معاشرہ اور رشتہ داروں کے ساتھ جو معاشرتی تقاضے ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ معاشرہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا پیشہ ہوتی ہے۔ کیونکہ لائسنس دہریہ و فطری خلق کی بنا پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و ہمہ روی اور ایثار و قربانی اور زمین کو ملک کے لیے سرفرازی آباد رہنے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رشتہ داروں کی موجودگی میں انسان اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھتا بلکہ اپنے آپ کو ایک منہ بولہ وجود سمجھتا ہے اور حالات کا نہایت قوی القلب ہو کر تقابل کرتا ہے۔

حکم رشتہ داروں کے ساتھ بڑی قوت ہوتی ہے اور ان کے تعاون سے ہر شے بڑھتی ہے۔ زمین کی تمام چیزیں رشتہ داروں کے ساتھ جلیب کوئی مسئلہ پیش نہ آتا ہے۔ تو وہ انتہائی طور سے وہاں تاروی سے لے کر سب سے پہلے ہیں اور مختلف امور میں تعاون و ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و ایثار کرتے ہیں۔ ہر شخص کے لیے نظر نہیں رکھنا کہ ذاتی منفع ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ سب رشتہ داروں کے اجتماعی مفاد کو مد نظر رکھتا ہے۔ اس طرح رشتہ داروں کی باہمی ایثار و کوشش سے معاشرہ خوشحال و فاسد و اقبال ہو جاتا ہے اور ایک معاشرے کو ان کا وہ مستحق حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن پاک میں تاکید ہے کہ رشتہ داروں کو باسیت و انصاف کے ساتھ چاہیے کہ ان سے ہرگز کوئی پانہ نہیں کہہ سکتے۔ بارہ مقامات پر رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ زمین کو ہرگز ہرگز تاکید و ایثار ہوتی ہے اور ان کے حقوق کو اہل نہیں بلکہ انسان کے حقوق کو ہرگز دیا گیا ہے۔ پھر پھر رشتہ داروں کی دعا ہے۔

کے ذریعے ہی ہے۔

اقربا پروردگی کی حد

رشتہ داروں کی مدد اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ایک قابل تحسین چیز ہے اور بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن اس میں بھی اعتدال ضرور رکھنا ہے۔ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اقربا نوازی میں اپنی حد تک بڑھ جائے کہ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جائے اور ایک واقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کیا اپنے خاندان سے محبت رکھنا تعصیب میں داخل ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، تعصیب یہ ہے کہ تو اپنے خاندان کی بے انصافی میں مدد کرے۔

حقوق اقرار ہے

قرآن و سنت اور دیگر کتابوں سے اسلام کی رو سے رشتہ داروں کے حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

از حسن سلوک رشتہ داروں کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش کیا جائے۔ ان کے ساتھ مجرب و مستفید اور حلیم و بردباری کا رویہ اپنایا جائے اور کسی قسم کی سخی یا ثیادتی نہ کی جائے۔ قرآن پاک میں رشتہ داروں کے ساتھ ہرگز ہٹوکسی کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور ایک توجید و عبادت اور والدین کیساتھ حسن سلوک کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
وَرَبَّاءُ الْوَالِدِينَ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالنَّسَاءِ ()

اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی کھاس کا شریک نہ ٹھہرو اور والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

تمام رشتہ دار امیر مہربان یا غریب و نیاز مند تھیں یا کم مرقدہ نزدیک یا دور

معا تعلق رکھتے ہیں سبھی سلوک کے مستحق ہیں۔ یہاں تک کہ اگر رشتہ دار غیر مسلم ہیں تو بھی حسن سلوک کے حقدار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مرتبہ اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے متعلق فرمایا کہ فلاں فلاں میرے دلی رشتہ نہیں ہیں میرا ولی دولت اللہ تعالیٰ اور نیک مسلمان ہیں لیکن ان غیر مسلم اقرباء کے ساتھ میرا خون کا رشتہ ہے میں اس کو بھائی کے ساتھ زندہ رکھوں گا۔ البتہ میں وہ کوئی رشتہ دار نہیں ہوں جو تعلق رکھتا ہوگا اسی قدر وہ زیادہ بہتر سلوک کا حقدار ہوگا اور جتنا زیادہ تعلق رکھے گا اسی طرح اس کے حقوق کم ہوں گے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کس سے بھائی کہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی ماں سے اور باپ سے اور بھائی سے اور پھر اس کے بعد دو جہ بھائیوں کے رشتہ داروں سے۔ پھر رشتہ دار ہر پندہ تو بھی اس سے حسن سلوک کیا جائے حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے کچھ رشتہ دار ہیں۔ میں ان سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں اور وہ تعلق رکھتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ بھائی کہتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بھائی کہتے ہیں۔ میں ان سے نفی کرتا ہوں اور وہ سلطنتی کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ بتا رہے ہو تو جب تک اس حال پر رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رشتہ تمہاری مدد پر مقرر ہوگا۔

۲۔ مالی اعانت :- رشتہ داروں کا دوسرا حق یہ ہے کہ ان کی مالی اعانت کی

جائزے۔ ایک غافلان کے سبب افراد یکساں طور پر مال دار نہیں ہوتے بلکہ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کوئی کپڑے کو بھی محتاج ہوتے ہیں اس لیے اہل ثروت و دولت پر لازم ہے کہ وہ اپنے منہمک و نادار رشتہ داروں کو مالی امدادیں اور ان کیلئے مزید سہولتیں ملانے کے لیے اپنا اور مالش وغیرہ کا انتظام کریں بلکہ اگر کوئی یتیم ہو تو اس کی

پرورش و تربیت کا بھی انتظام کریں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی غریب رشتہ دار تعلیم کا مستحق ہو تو ایسے تعلیم کے سلسلہ میں مالی امداد دی جائے۔

قصر آن پاک میں متعدد جگر رشتہ داروں پر مال صرف کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

قُلْ مَا أَلْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ (طہ نبی) کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو
وَكُلَّ آفَرِ بْنِ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ وَالْأُولَى (طہ نبی) وہ ظلمین رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں
السَّبِيلِ - (البقرہ) کے لیے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے رشتہ داروں کی مالی اعانت فرماتے تھے سہانے
نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کی کفالت کی علاوہ ازیں آپ نے صحابہ کرامؓ
کو بھی اسی امر کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عام غریبوں کو مدد
دے گا اللہ ایک دیکھ بھال دے گا اور جو شخص رشتہ داروں پر خرچ کرے گا۔ اسے
دو گنا ثواب ملے گا۔

۳۔ تعاون و ہمدردی : رشتہ داروں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ دیکھ سکھ، رنج و

بیماری و صحت اور شادی و موت پر مطلع پیران کے ساتھ ہمدردی و تعاون
کا اظہار کیا جائے اور نہ صرف مالی بلکہ ہر قسم کی روحانی و اخلاقی امداد دی جائے۔ اگر کوئی
رشتہ دار بیمار ہو تو اس کی عیادت و تیمار ہی کی جائے اگر کوئی کسی مصیبت و مشکل میں
پھنسا ہو تو ایسے نجات و امداد کی کوشش کی جائے اگر کوئی پیراہ روکی کی زندگی بسر
کرنے لگے تو ایسے راہ راست پر لانا بھی رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کرنا اور ان
کی اگلی دور کرنے کیلئے مشورہ دینا بھی ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ رشتہ داروں
کے ساتھ ہر نہیک کام میں تعاون کیا جائے اور ہر دیکھ بھال میں ان کی مدد کی جائے
اور اظہار ہمدردی کیا جائے۔

۴۔ عفو و درگزر :- رشتہ داروں کا یہ بھی حق ہے کہ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا سلوک کیا جائے اور ان سے قطع تعلق سے گریز کیا جائے۔ بلکہ ان کی غلطیوں اور زیادتیوں کو بڑی عالی حوصلگی اور فراخ دلی سے برداشت کرتے ہوئے تعلق بہ قرار رکھنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے ایک رشتہ دار مسطح بن اثاثہ کی مالی اعانت کرتے تھے لیکن جب مسطح نے آپؐ کی بیٹی اسم المؤمنین حضرت عائشہؓ پر پرتھان طرازی میں حصہ دیا تو آپؐ نے اس کی اطلاع نہ کر دی۔ اس پر قرآن پاک میں یہ حکم نازل ہوا
 وَلَا يَأْتِلْ أَوْلُو الْفُضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ (النور)
 اعلیٰ تم میں سے جو فضل اور کثرت مال کے ہیں وہ اہل قربانیت سے نہ ملے کہ نہ دینے کی قسم نہ کھائیں۔ (النور)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث میں رشتہ داروں سے قطع تعلق کی ممانعت فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو صلہ رھمی نہیں کتنا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ قطع رھمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔
 ثمرات و فوائد

رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے سے مندرجہ ذیل ثمرات و فوائد حاصل ہوتے ہیں :-

۱۔ خاکبانی مسرت و اطمینان :- رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ اس سے پورے خاندان کا ماحول پرسکون و خوشگوار ہو جاتا ہے۔ خاندان کے تمام افراد میں ایک دوسرے کے لیے خلوص و مہربانی، ایثار و قربانی اور عفو و درگزر کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام خاندانی جھگڑے اور تباہی خیز ختم ہو کر مسرت و

المیمان کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

۲۔ خیر و برکت :- رشتہ داروں سے حسن سلوک خیر برکت کا بھی موجب ہے خدا تعالیٰ

ایسے لوگوں کی روزی میں برکت دیتا ہے اور مال دولت میں کثافتیں عطا کرتا ہے۔
 میزان کی عمریں بھی دوازہ کرتے آئندہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص کو
 یہ پسند ہو کہ اس کو ہفت روزہ وسعت کی پلٹے اور اس کی عمر دوازہ کی جائے ایسے
 چاہیے کہ صلہ رحمی کیسے؟ (بخاری)

۳۔ آخرت میں کامیابی :- رشتہ داروں سے حسن سلوک کا ایک فائدہ یہ بھی ہے
 کہ اس سے انسان کو آخروی زندگی میں کامیابی حاصل ہوتی ہے اور وہ جنت کا
 حق دار سمجھتا ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جو صلہ رحمی نہیں کرتا وہ جنت
 میں داخل نہ ہوگا۔

۴۔ کفارہ گناہ :- رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والے گناہوں کا
 کفارہ ہوتا ہے ایمان سے قطع تعلق کرنا اعمال گنی ناستیبولیت کا باعث بنتا ہے
 ایک شخص نے حضرت رسول خدا کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں
 ایک کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے
 پوچھا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تیری مخالف زندہ
 ہے؟ عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا تم اس کے ساتھ حسن سلوک کر۔

ہمسایہ

مفہوم | ہمسایہ کے لیے لفظ جوار استعمال ہوتا ہے جس کی معنی جیراں ہے جس

سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے قریب و جوار اور پڑوسیوں میں رہتے ہوں۔

شخصیت میں ہمسائیگی کی حد اپنے مکان سے چاروں طرف چالیس گز تک ہے جس

میں اپنے و بیگانے، رشتہ دار و غیر رشتہ دار اور مسلم و غیر مسلم سب شامل ہیں اگرچہ ہمسایہ

کا مفہوم بنیاد میں وسیع ہے انسان کا اطلاق صرف ہم رشتہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہم

کتاب، ہم پیشہ، ہم کاروبار اور ہم سفر وغیرہ سب ہمسائیگی کے مفہوم میں شامل ہیں

ہمسایہ سے عام طور پر مراد ہم رشتہ یعنی ساتھ ساتھ رہنے والے ہی ہوتے ہیں

ہمسایہ کے مدارج | اسلام میں جس سلوک کا معیار قربت ہے جو جتنا زیادہ

قریب ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ جس سلوک کا مستحق ہوگا۔ ہمسایہ کے معاملہ میں بھی۔

یہی اصولی کار فرما ہے۔ سب قسم کے ہمسایوں میں فوقیت و برتری اس کو حاصل ہے

جس کے علاوہ ہمسائیگی کے علاوہ کوئی اور دوہرا تعلق بھی ہو۔ کافر و غیر رشتہ دار

ہمسایہ کا حق نسبت سے کم ہے کیونکہ اس کے ساتھ صرف ہمسائیگی کا تعلق ہے۔ مسلمان

ہمسایہ کا اس سے زیادہ حق ہے کیونکہ وہ ہمسائیگی کے علاوہ اخوت اسلامی کا بھی

تعلق رکھتا ہے۔ مسلمان رشتہ دار ہمسایہ کا حق سب پر فائق ہے کیونکہ اس کا ہمسائیگی

اور ہم مذہبی کے علاوہ تیسرا تعلق قربت کا بھی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ در غیر مسلم ہمسایہ کا ایک حق ہے، مسلمان ہمسایہ کے دو حق ہیں

اور رشتہ دار ہمسایہ کے تین حق ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ

میرے دو پڑوسی ہیں۔ یہی تھری یا گھٹی چیر گس کے پاس بیچوں، آپس میں شریا میں
 کا گھر تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہے۔ (بگاری)

اہمیت کا

ہمسایہ کی اہمیت مندرجہ ذیل دلائل سے واضح ہوتی ہے۔

۱۔ معاشرتی ضرورتیں :- ہمسایہ سے عمدہ تعلقات رکھنا ایک بہت بڑی
 معاشرتی ضرورت ہے۔ انسانی معاشرہ امتداد کی بنیاد اور اشتراک عمل اور باہمی تعاون
 پر قائم ہے۔ کیونکہ ہر انسان فطری طور پر دوسرے کا محتاج ہے اور کوئی شخص بھی
 بے نیازی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بچ و غنم، بیماری و دکھ، پیشانی و مصیبت
 اور تکالیف و خطرات میں دوسروں کی امداد و اعانت کی ضرورت ہوتی ہے
 ان حالات میں سب سے پہلے ہر انسان کی مدد و اعانت کو پہنچ سکتا ہے وہ اس کا ہمسایہ
 ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریبی ہمسایہ کی اہمیت دوسرے رشتہ داروں سے بھی زیادہ
 ہمسایہ کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ بوجہ قربت و پیوستہ وہ ہر وقت
 کا شریک و سچ و راست ہوتا ہے لہذا اگر اس سے بہتر تعلقات رکھے جائیں تو
 عین ممکن ہے وہ کسی وقت شریا مصیبت کا باعث بن جائے۔ کیونکہ انسان کو
 مصیبت یا دکھ پہنچنے کا اسی سے اندیشہ ہو سکتا ہے جو اس کے زیادہ قریب ہو۔ اس
 لیے ضروری ہے کہ ہمسایہ سے حسن سلوک کیا جائے اور خوشگوار تعلقات قائم کیے جائیں
 تاکہ انسان اس کے مزے سے محفوظ رہے۔

۲۔ قرآن و سنت میں تاکید :- ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے حقوق

ادا کرنے کی قرآن پاک میں بھی تاکید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَالدَّارِ الْمُقَابِلِ (النساء: ۳۶) کے ساتھ حسن سلوک کرو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث میں ہمہ سایہ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین ہے اور اس کے حقوق کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جیسے یہ لہند ہوگا تو خداوند اس کا رسول اس سے محبت کریں یا جسے خداوند اس کے رسول کی محبت کا دیکھتا ہے اسے پارسے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے (مشکوٰۃ) آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے حق میں بہترین ہے اور بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہترین ہے (ترمذی) نیز آپ کو ارشاد ہے کہ حضرت ہیراہیل اگر مجھے پڑوسی کے بارے میں اتنی زیادہ تاکید کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوگا کہ وہ ہمہ سایہ کو دوست بنا رہا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

ہمہ سایہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمہ سایہ کو انسان اخلاق کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال اچھے ہیں یا برے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم ہمہ سایہ کو اپنی نسبت اچھا کہتے سناؤ تو سمجھو کہ تمہارے اعمال اچھے ہیں اور جب برا کہتے سناؤ تو سمجھو کہ تمہارے اعمال برے ہیں۔

حقوق ہمہ سایہ

اسلامی تعلیمات کی رو سے ہمہ سایہ کے مندرجہ ذیل حقوق ثابت ہوتے ہیں۔

- ۱۔ حسن سلوک : ہمہ سایہ کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جائے اور خوشگوار تعلقات قائم رکھے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر شخص اللہ اور ایمان کے لیے اپنے پڑوسی سے بہتر ہے۔

بہت سے لوگوں کے ساتھ تھے۔ لیکن ان کا تعلق ان سے ہے۔ کہ اس کی اولاد ہی کی جائے
 اور اسے کہیں بھی نانا شکی کا مستحق نہ دیا جائے بلکہ لیسہ و کمرہ تکلیف اور ایذا پہنچانے
 سے اجتناب کی جائے۔ اگر حضرت علیؑ کے ساتھ کسی کا بد رفتاری ہے کہ جو شخص صلہ سے
 جزا پر ایسا نہ رکھتا ہے دو پونے پڑوسی کو زیادہ دے (بخاری) ایک دوسری حدیث
 میں آپؐ کا اشارہ ہے کہ ہمارے دوستانے اور تکلیف دینے والا دشمن سے ملے گا
 ایک مرتبہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں عورت نماز کی
 قیادت پہنچتی ہے روز سے بھی بہت دیکھتی ہے اور خیرات بھی دے سکتی ہے لیکن
 اس کی بدزبانی سے پڑوی دکھی ہیں آپؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہے پھر عرض کیا گیا کہ
 ایک دوسری عورت سے چند روزہ روئے وہ بھی طور پر ادا کرتی ہے اور ضروری حد تک
 ہی دیتی ہے لیکن وہ پڑوسیوں کے حق میں بد زبان نہیں بہت سے ایسا دیکھا وہ جنت
 میں جائے گی و شکوۃ

ایک مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ خود کی قسم وہ لوگوں میں
 خلیفہ قسم وہ لوگوں میں، خلیفہ قسم وہ لوگوں میں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ کلن، لہذا وہ
 شخص جس کا ہمسایہ اس کے سر سے غصہ نہ ہو، و شکوۃ و مسلم،
 ۲۔ حیدر و مثل، اسلام صرف ہمسایہ کو ضرر پہنچانے سے ہی نہیں روکتا بلکہ یہ بھی خوا
 کرتا ہے کہ اگر ہمسایہ کی جانب سے تکلیف پہنچے تو اس سے دنگدر کیا جائے اور ضرر
 تحمل کا، اظہار کیا جائے مابعد اسے اسلام میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناز
 پڑے وہی حد تک کرتے تھے کہ ایک کلمہ جا کر نہ پڑے یا میں گندگی ڈال دینے
 تھے لیکن آپؐ سے لیکر کچھ نہ لیکر کہ اسے جو عداوت ایسی کہیں ہمسایہ سے
 ایک دفعہ ایک صحابی نے اسے اس کا حکایت کی کہ یا رسول اللہ! میرا پڑوسی مجھ
 نشانہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ میرا کرو۔ اس کے بعد وہ پھر نہ حکایت لے کر گئے

ایک نے پیر دہی نصیحت کی۔ تیسری مرتبہ وہ پھر بھی شکایت لکھنے لگا۔ پھر
 فرمایا جاؤ اور اپنا سامان لے لے دو۔ یعنی گھر سے منتقل ہو سکی صورت بناؤ
 انہوں نے ایسا ہی کیا۔ گزشتہ والوں نے پوچھا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے پڑوسی
 کی بددلی کا ذکر کیا۔ لوگوں نے پڑوس کو برا بھلا کہا۔ وہ ان صحابی کے پاس آیا اور کہا
 اب تک مکان میں چلیں آئندہ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی (البرادقہ)

۳۔ ادرا و اعانت۔ ہمسایہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی ضروریات کا
 خیال رکھتا ہے۔ اور ہر ضرورت میں اس کی لہذا و اعانت کی جائے۔ اگر بھوکا
 ہو تو کھانا کھلا جائے۔ ضرورت سے ہو تو ترقی دیا جائے۔ عیال ہو تو عیادت کی
 جائے حتیٰ کہ اگر فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے سہرا دیا جائے۔ مختصر یہ کہ
 اگر کچھ ہرج و مرج و غم میں شرکت کی جائے اور اس کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کی
 کوشش کی جائے۔

پھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث
 میں آپ نے فرمایا کہ "اگر ہمسایہ تجھ سے قرین مانگے تو اسے دے اگر تجھ سے اعانت طلب کرے
 اعانت کر اور اگر لے کوئی اور احتیاج و ضرورت ہو تو وہ بھی پونہ کر"
 ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ شخص کامل مومن نہیں ہو خود تو سہرا کر کھانے
 اداس کا ہمسایہ بھوکا ہے" (مشکوٰۃ) ایک مرتبہ حضرت ابو ذر غفاریؓ کو نصیحت
 کرنے ہوئے فرمایا کہ "صعب تم مان پکاؤ تو اس میں پانی ڈرانے سے زیادہ نکال دیا اس
 میں سے کچھ پڑوسی کے گھر بھجواؤ" (مسلم)
 ۴۔ کھنے مخالفت۔ ہمسایہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وقتاً فوقتاً انہیں کھنے تجاہل
 بیٹھے جائیں کیونکہ اس طرح آپس میں الفت و محبت پیدا ہوتی ہے اور تعلقات
 استوار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے ہمسائے کو کھنے

Marfat.com

تخلت بھیتے رہو اور اپنی ہڈی کے موقوں سے ہٹا کر دو۔

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو میوں ضرور سے اور استطاعت ہو تو پڑوسی کے گھر میں بیچ اور اگر نہیں بیچ سکتا تو پڑوسی سے خرید کر پڑوسی کے گھر میں سے کوئی اس بھل کو لے کر باہر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچوں کو تکلیف نہ ہو۔
 بدیہ بیش قیمت چیز کا ہی بھیجا ضروری نہیں بلکہ حسب استطاعت کوئی چیز بھی بھیجی جاسکتی ہے کسی معمولی چیز کو بدیہ بھیجتے ہوئے یا جیتے عار نہ ہو نہ نہیں ہوتا چاہئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان عورتوں سے ارشاد فرمایا کہ تم تم میں سے سے کوئی پڑوسن کو بدیہ دینے کو بھیج نہ سمجھے اگرچہ وہ بھری کا گھری بیوں نہ ہو۔
 (کھلی و مسلم)

۵۔ تحفظ مال و عزت ، ہمسایہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ان کی عزت و آبرو وہ پاس کیا جائے۔ نہ عمد کوئی ایسی بات کی جائے جس سے ان کی عزت پر صرف آئے اور نہ ہی کسی دوسرے کو ایسا کرنے دیا جائے نہ پڑوسیوں کے جان و مال کا خیال رکھا جائے اور ان کی عدم موجودگی میں حفاظت کی جائے۔
 حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مذہبنا حرام ہے اللہ اس کے رسول نے اسے حرام کہا ہے لیکن سب بدکار لوگوں سے بڑھکر بدکاری یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے چوری حرام ہے اللہ اس کے رسول نے حرام کہا ہے لیکن وہ گھروں میں چوری کرنے سے بدتر یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرے“

ثمرات و فوائد

حقوق ہمسایہ کی ادائیگی کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں

۱۔ صحیح معاشرت کی تشکیل، حقوق ہمسایہ کی ادائیگی سے لوگوں کے ایک دوسرے

کے مابین باہمی تعلق بنانا اور جو باتیں ہیں رنج و راحت اور خوشی و مسرت میں

ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور باہم امداد و تعاون کرتے ہیں۔ اس

طرح معاشرت سے کوشش معاملات باہمی حل ہو جاتے ہیں۔

۲۔ خدا و رسول کی پرستش، ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے خیر اور اس کے رسول

کی برکت و خوشخبری حاصل ہوتی ہے جو اصل زندگی سے اسی دنیا کی آخری

بھارت کا خوب سے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کو یہ پسند ہے

کہ خدا اور اس کا رسول اپنے محبت کیسے اسے چاہے کہ وہ یہی کسی کا حق اور کرے

(مشکوٰۃ)

۵۔ استاد و شاگرد

مجموعہ استاد یا معلم کے لغوی معنی پڑھانے، سکھانے اور تعلیم دینے کے ہیں اور

شاگرد یا طالب علم کے معنی پڑھنے، رسکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح

میں استاد سے مراد وہ شخص ہے جو کسی تعلیمی ادارے میں لوگوں کو تعلیم دینا ہو اور شاگرد

ہے جس شخص کو سکھانے میں جو کسی تعلیمی ادارے میں تعلیم پانا ہو۔

اہمیت

تحصل علم میں استاد و شاگرد کے رشتہ کو بہت اہمیت حاصل ہے تعلیم حاصل

کرنے والے کو ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس لیے ہر شخص بذریعہ ادائگی کے

لیے کسی نہ کسی استاد کے روبرو زمانہ کے علم حاصل کرنا چاہیے۔ اگرچہ تعلیم بغیر استاد کے

بھی گھر پر کتابوں کے مطالعے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن علم ایک نہایت بلند

پاپیہ چیز ہے اور جو لوگ عالم ہو گئے ہیں وہ اس کے ^{۱۰}بغیر غلط نہ کیا کرتے ہیں اور اہل بیت و
گمراہی میں تمیز کر سکتے ہیں ^{۱۱}مطلوبہ استادوں سے ^{۱۲}مطلوبہ طلبہ کی تمیز نہ کرنا انسان ^{۱۳}کے لئے ایک عظیم
کڑھائی ہے اور شہری اس کے فوائد سے متاثر ہو سکتا ہے۔

پچھلے ہاتھ بھی علم ہے کہ کیا فائدہ کیا علم خواہتے ہیں اور وہ جو کچھ اس کے برعکس استاد
کی محبت سے طلبہ شہری ہو اور لاشعوری طور پر بہت کچھ سیکھ کر لے جاتے ہیں۔ طالب علم کے
زمانہ میں سیکھی ہوئی عادات اور اخلاق انسان کے ذہن پر نقش ہو جاسکتی ہیں۔ اسی لیے استاد
کی عادت و اخلاق اس کے علم و فضل کا شاگرد کی زندگی پر نہایت گہرا اثر ڈالتے ہیں اور
طالب علم اپنی زندگی کو بہت حد تک استاد کے نقش و نگار سے متاثر ہوتا ہے۔ لہذا جس قدر
کوئی طالب علم اپنے استاد کے قریب رہتا ہے اور شہرت کرے گا اسی قدر وہ علم کی دولت
سے مالا مال ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حصولِ علم میں کوشش اور دیگر اشیاء شامری
عینیت رکھتی ہیں اور اصل اور بنیادی حیثیت استاد اور شاگرد کے باہمی تعلقات اور طالب
کو حاصل ہے۔

استاد کا مقام

استاد چونکہ عالم کا سرچشمہ ہوتا ہے اس لیے اس کا مقام نہایت بلند
مستحق قرار دیا گیا ہے اور اگر کسی بے حد عزت و تکریم کو نہ دیکھا گیا ہے بلکہ ^{۱۴}مستحق
اللہ علیہ وسلم نے استاد کو حقیقی باپ سے بھی زیادہ مرتبہ زیادہ سے جانتا ہے۔ چنانچہ آپا بکا رشتہ
ہے "دنیا میں تمہارے تین باپ ہیں۔ ایک باپ وہ ہے تمہاری پیدائش کا باپ۔ ایک باپ وہ ہے
جو سر اعدائے دنیا پنی لٹکی کی شادی تمہارے ساتھ کر دینا اور تمہیں اللہ کے لئے
علم حاصل کیا اور ان میں سے بہترین باپ تمہارا استاد ہے۔"
صحابہ کرام اور علمائے سلطنت کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ

وہ اپنے اساتذہ کو اپنے ہم ادب و احترام کرتے تھے اور کبھی کوئی ایسی بات سرزد نہ ہونے دیتے جو استاد کی طبیعت پر گزراں ہوتی۔ صحابہ کرامؓ نہ صرف اپنے معلم اعظم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ادب و احترام کرتے تھے بلکہ آپس میں ہیں سے کچھ سیکھنے اسے استاد کا درجہ دیتے تھے اور اس کا ادب ملحوظ رکھتے تھے حضرت علیؓ کا استاد ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا اس کا غلام ہوں اسے اختیار ہے چاہے وہ مجھے بھی دے چاہے آزاد کرے اور چاہے غلام بنائے رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب میں عجمیوں کے گئے حضرت عبید بن ثابتؓ کے مکان پر حاضر ہوتا اور وہ باہر تشریف نہ لکھتے ہوتے تو میں اپنے ادب ان کو بلا کر دیتا اور نہ ہی ہاتھیں بٹواتا بلکہ ان کے دروازے کی دہلیز پر سر رکھ کر بیٹھ جاتا اور ہوا مٹھی اٹھ کر بیٹھتا اور ہاتھ مٹھی۔ پھر جب حضرت زیدؓ باہر تشریف لانے اور بیٹھنے میں حالت میں دیکھتے تو نہایت افسوس سے فرماتے اپنے ابن عم رسولؐ نے ایسے اطلاع کیوں کر دی؟ اور میں عرض کرتا کہ میرے لیے یہ لازم نہ تھا کہ میں آپ کو اطلاع کرانا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مثال اس بارے میں قابلِ تقلید ہے آپ فرماتے ہیں کہ میرے استاد حمادؒ کو جب تک زندہ رہے ہیں میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلانے۔

استاذ کے حقوق

استاذ کے حقوق سے مراد ہے کہ کسی استاد کو اپنے طلباء اور شاگردوں کی جانب سے حاصل ہونے والی معاشروں کے لیے لازمی ہے کہ استاد کے حقوق کی نگہداشت کرے تاکہ وہ امن و سکون سے اپنے فرائض کو انجام دے سکے اور معاشروں سے

کے لیے مفید افراد پیدا کر کے استاد کے بہت سے حلقوں میں جن میں سے بعض
اہم ہیں۔

اصحائے شری و قاری : استاد کا اولین حق یہ ہے کہ معاشرے میں اسے عزت و وقار
حاصل ہو اور ہر جگہ اس کی عزت و تکریم کی جائے اس معاشرے کا ایک اہم فرد تصور
کیا جائے اور تعلیم قومی و ملکی معاملات میں اس سے مشورہ خواہش کیا جائے اور زندگی
کے کسی شعبہ میں اسے نظر انداز نہ کیا جائے اس طرح اسے اپنے مرتبہ و مقام کا احساس ہو
گا اور وہ نہایت محنت و جانفشانی سے ترقی معاشرہ میں مسرور رہے گا مزید
قائدہ یہ ہو گا کہ قارئین و ذہین افراد تعلیمی کی طرف مائل ہوں گے اور قوم کو ترقی یافتہ
قائم کرنے کی خدشات سے محفوظ رکھیں گے۔ نتیجتاً معاشرے کا تعلیمی معیار بلند ہو گا اور قوم
ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔

۲۔ روزگار سے لینے فکری : استاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ وہ زندگی کی جدید ترقی
اور فکر و معاش کے انفرادی و اجتماعی ترقی یا ترقی کے اثبات کو اس کی تمام ضروریات کو قبول کرے اور
انسانی گذر افقات کو سمجھے۔ تاکہ وہ کھل ذہنی امن و سکون سے اپنی سرپرستی کو کرے اور
مروجہ فکری کار لا کر اپنے تدریس و تالیف کو سر انجام دے۔ یہ ایک صلہ و عقیدت ہے کہ اگر
استاد کا ذہن فکر و معاش میں مسرور و متحرک ہو گا۔ تو وہ کبھی بھی اپنے تالیف و تحقیقی کاموں میں
وہم و غمگینوں سے باہر نہیں رہتا۔ بلکہ معاشرہ میں اس کی طرف سے بھرپور ترقی و ترقی
و ترقی کی بنا پر محنت و محنت کی حیا سے بھرپور ترقی ہے۔ اس کی ترقی
و ترقی حد و حد تک ہوتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ استاد کی آمدن اس قدر معتدل
ہو کہ وہ باعزت زندگی بسر کر سکے۔

۳۔ ادب و احترام : استاد کا ایک حق یہ ہے کہ طلبہ اس کی ہر طرح کی ضرورت
تعمیر کریں اور ہر موقع و محل پر اس کے ہونے و ہونے کو تسلیم کریں۔ استاد کو اپنا

بایں کھیں اور تحقیق بایں کہ طرح اس کی باطن عدوت و فریبانہ ہوگی کریں اور کسی محفل سے
اور انہی ایدہ افلاقی اور گستاخی کے مزکب نہ ہوں اس طرح استاد بھی نہایت محبت
شعبت اور محنت و جانفشانی سے تعلیم دے گا۔

استاد کے فرائض

استاد کے فرائض سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو ایک استاد پر اپنے طلبہ و مفاخر سے
کے لیے لازم آتی ہیں۔ استاد کے فرائض کا دائرہ نہایت وسیع ہے تاہم ضروری فرائض
حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اخلاقِ حمیدہ۔ استاد کا اولین فرائض یہ ہے کہ اپنے آپ کو اخلاقِ حمیدہ کا حامل

بنائے اور اپنے نفس کو ہر قسم کی بد اخلاقی سے بچائے سکے۔ امانت و دیانت، صداقت
اعتمادی، محنت و شفقت، وقار و سادگی، فیاضی و فراخ دلی، صبر و قناعت اور

حق گفتی و بیباکی وغیرہ تمام صفاتِ حسنہ اس میں بخوبی پھیلنی چاہئیں اور لطف و حسد،

فوز و شہرت، غیبت و بغل خوردی، دوس و عوس، نکل و خود پسندی، نمائش و ریاکاری

اور غرور و بیہودہ گوئی جیسی عاداتِ تبویہ سے اسے اپنا واسطہ پاک و صاف رکھنا چاہیے۔

۲۔ ہمت و شہامت۔ خودی و خودیاری کی زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اور ہمت و شہامت تک حالی میں بھی

اپنے آپ کو ذلیل و رسوا نہ ہونے دینا چاہئے۔ طلبہ کے لیے نمونہ بننا اور شفقت

سے پیش آنا چاہئے۔ ان کی مشکلات کو حل کرنے پر آمادہ رہنا چاہئے اور ان کی غلطیوں

کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہر ایک سے خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے

۳۔ ہمت و شہامت۔ گفتگو کرنی چاہئے اور بیہودہ گوئی اور بد زبانی سے اجتناب کرنا چاہئے۔

۴۔ مشورہ۔ استاد کو شہسہ اطوار سے خود اخلاق اور نفس فائق کا حامل ہونا چاہئے۔

۵۔ احساسِ ذمہ داری۔ استاد کا ذمہ فرائض یہ ہے کہ اپنے اپنی ذمہ داریاں

Marfat.com

کا پوری طرح سے دیکھنا اور سمجھنا۔ اسے اس وقت تک کما بھیجا جائے جو پورا پورا ہے مگر قوم کے
 نوجوانوں کی تعلیم کا مقصد اس فریضہ پر ہے سوچا گیا ہے اور قوم کی آئندہ ترقی و ترقی و ترقی
 کا انحصار اسی کی کوششوں و کوششوں پر ہے۔ اس بار سے اس کی معمولی کوتاہی بھی
 ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے اور قوم کو ہمیشہ کیلئے ٹھیکہ پتی و پیمانہ کی میں ڈھال سکتی
 ہے۔ درحقیقت ذمہ داری کا احساس ہی استاد کو محنت و عمر کی زنجیر پر آمادہ کرنا
 ہے اور وہ پوری نگاہوں کے ساتھ اپنے آپ کو قوم کی تمیز میں مصروف کر دیتا ہے
 لہذا استاد کو اپنی تمام ذمہ داریوں کا پورا پورا ہونا چاہئے۔ وقت کا پابند ہو۔ محنت و جہان بخشی
 کے صحیح معیار قائم رہنے چاہئے۔ طلبہ کی اخلاقی تربیت کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔
 نخلوں سے اپنے ذائقے کو سرا بھانسنے۔

۳۔ مطالعہ : استاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنا مطالعہ ہمیشہ جاری رکھے اور اپنی معلومات
 میں اضافہ کرتا رہے۔ بڑے محنتور بھی وہ پڑھتا ہے اس پر اسے کمال عبور حاصل ہونا چاہئے
 کیونکہ اگر وہ خود کسی چیز کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے گا تو اسے طلبہ کو بھی سمجھانے کا علم ہو۔
 اساتذہ پندرہ سائڈ نہ تو کسی طلبہ میں مقبول ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے اپنا احترام لیا
 سکتے ہیں۔ لہذا استاد کے لیے ضروری ہے کہ مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہے کہ اپنے
 علم میں اضافہ کرتا رہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ دو عالم اسی وقت تک
 عالم رہ سکتے ہیں۔ جب تک وہ طالب علم ہے۔ جب وہ پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے
 وہ علم سے بے نیاز ہو گیا ہے اور جب کچھ اس نے حاصل کر لیا ہے وہ اس کیلئے کافی
 ہے تو ایسا سمجھنے والا سب بڑا بھلا ہے۔

۴۔ طلبہ سے شفقت : استاد کو بھی یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ طلبہ سے
 شاگردوں سے غیر معمولی شفقت و مہربانی سے پیش آئے اور ان سے مساجد اور سلوک کا
 رواج رکھے۔ استاد کو ایک روحانی باپ کی حیثیت سے شاگردوں کے ساتھ ہرگز

مشفقانہ ہمت اور کرنا چاہئے۔ ان کے مسائل میں دلچسپی لینی چاہئے۔ اور انہیں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کوئی شاگرد غریب و نادار ہو تو اس کی مالی امداد کا انتظام کیا جائے اور اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔

اس ضمن میں یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ سب طلباء سے مساویانہ سلوک کیا جائے اور غریب و علی وادنی نسبت کے طلبہ سے جیسا ہمتاؤ کیا جائے ایسی ہی طرح طلبہ قویوں بھی ہوتے ہیں اور کمزور ہیں بھی۔ استاد کو چاہئے کہ دونوں طرح کے طلبہ کی طرف سے اور کھڑے ہیں وغیرہ کو نفرت و حقارت سے نہ دیکھے بلکہ ہمہردی و شفقت سے پیش آئے۔

۵۔ طلبہ کے کردار کی تشکیل و استاد کا فطری فرض نہیں کہ وہ طلبہ کو علم سے

فائدے بلکہ صحیح استاد وہ ہے جو تعلیم کے ساتھ اپنے طلبہ کو اخلاقی تربیت بھی دیتا ہے اور ان کی سیرت و کردار کی تشکیل بھی کرتا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ وہ طلبہ کے اخلاق پر نظر رکھے اور تعلیم کے دوران گاہے گاہے ان کی اخلاقی کمزوریاں اشارتاً ان پر خارج کرتا رہے اور عمدہ اخلاق اور نیک اعمال کی طرف ان کو ترغیب دلاتا رہے۔ اس طرح تعلیم کا اصل مدعا حاصل ہوتا ہے اور طلبہ عالم یا عمل بن کر فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔

۶۔ پابند شریعت استاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ پابند شریعت ہو۔ دل میں خود

خدا کے نام نہ آوے اور دین و شریعت کے احکام کی پوری طرح سمجھتا رہے۔ اس کے تمام اعمال و اقوال اور حرکات و سکنات سے تقویٰ و پیرہیزگاری عیاں ہوتی ہو۔ اور وہ فرائض پر گامہ پوری طرح ادا کرتا ہو اور دوسروں کو بھی بڑائی سے سنبھلنے اور نیکی کرنے کی ترغیب دیتا ہو۔

۷۔ قول و عمل میں مطابقت استاد کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اپنے

قول و عمل میں مطابقت پیدا کرے۔ جو بات زبان سے کہے اور جس بات کی دوسروں
کو تعلیم دے خود بھی اس پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ اگر وہ خود عمل نہیں کرے گا تو اس کا قول
بے اثر ہوگا اور بات بے نتیجہ ثابت ہوگی۔ قرآن پاک میں بھی قول و عمل میں مطابقت
کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِمَنْ قَعَدَ لِدُونِ مَا كَانَتْ تُفْعَلُونَ
جس چیز پر تم خود عمل نہیں کرتے وہ

کہتے کیوں ہو؟

جس لوگوں کے قول و عمل میں مطابقت نہیں انہیں آخرت میں سخت عذاب دیا
جائے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر کے
یہ تشریف لے گئے تو آپ کا گدڑہ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے چھوٹے
آگ کی قنبیروں سے کھٹے جا رہے تھے۔ آپ گھبرا گیا کہ یہ آپ کی امامت کے وہ لوگ
ہیں جو دوسروں کو اچھی باتوں کی تلقین کرتے تھے مگر خود ان پر عمل نہیں کرتے تھے
استاد چونکہ دوسروں کے لیے نمونہ اور مثال بننا چاہتے ہیں لہذا آپ کے پاس سے گزرتے ہوئے
کی تلقین کرے پہلے خود اپنے آپ کو اس کا عامل بنائے۔

اشاعتِ علم : استاد کے فرائض میں سے بھی مثال ہے کہ وہ علم کی اشاعت کے
تخلیقا فرمائیے جو علم حاصل کر کے اپنے ملک و قوم کو سکھانے سے اور انہیں چھوڑنا کلب
کے علم کی اشاعت بھی اس طرح فرمائیے جنہوں نے علم کا اشتہار سے کہ ضروری علم
اور قرآن سکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو
خوش رکھے گا جس نے میری باتیں سنیں، انہیں یاد رکھا اور انہیں نشر کیا، آپ کے
یہ بھی فرمایا کہ کسی سے علم کے بارے میں کوئی بات پوچھی جائے تو وہ جانتے ہو۔
بتائے تو قیامت کے روز اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔

شاگرد کے حقوق

شاگرد کے حقوق سے مراد وہ مراعات ہیں جو ایک طالب علم کو معاشرہ اور اس کی جانب سے حاصل ہوں۔ شاگرد کے حقوق کو ذیل کے عنوانات کے تحت درج کیا جاسکتا ہے :-

۱۔ تحصیلِ علم کی سہولتیں :- شاگرد کا اولین حق یہ ہے کہ تحصیلِ علم کیلئے اسے

ہر طرح کی سہولتیں سہولتیں پہنچائی جائیں۔ درس گاہ کے لیے ایک روشن و بہادر عمارت ہونی چاہیے۔ ہر قسم کے مایوسہ اور لائق و قابل اساتذہ کا خاطر خواہ انتظام ہو سکا۔ سے سخن ایک وسیع کتب خانہ بھی ہونا چاہیے جس میں ہر موضوع پر عمدہ عمدہ کتابیں ہوں۔ پھر دور دراز سے آنے والے طلبہ کے لیے تمام گاہ ہونی چاہیے جس میں رہائش کے علاوہ خوراک اور بھی انتظام ہو۔ غریب و ناتواں طلبہ کو وظائف اور مالی رعایتیں دی جائیں اور لائق و محنتی طلبہ کی انعامات و کرامات سے جو صلہ اور جزا کی جانی چاہیے۔

مغنیہ تعلیم حاصل کرنے والوں کو سہولتیں حاصل ہونی چاہئیں۔

۲۔ صحت و تندرستی :- شاگرد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی جسمانی صحت و تندرستی

کا خیال رکھا جائے اس مقصد کے لیے کتب سے ملنے والی کھیل کا میدان ہونا چاہیے۔ ہر طرح کی کھیلوں اور ورزشوں کے لیے سہولتیں میسر ہوں تاکہ طلبہ اپنی صحت کو برقرار رکھ سکیں۔ پھر کتب کے ساتھ شفا خانے کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ گاہے بگاہے طلبہ کی صحت کا معاشرہ کیا جاسکے اور بوقت ضرورت عملی و بیمار طلبہ کا علاج معالجہ کیا جاسکے۔

۳۔ اخلاقی تربیت :- شاگرد کا فقط ہی حق نہیں کہ اسے علم سکھایا جائے بلکہ اس

کی اخلاقی تربیت بھی اس کے حقوق میں شامل ہے علم تو گھر پر بھی کتابوں سے اخذ کیا جا

مکتا ہے لیکن استاد کے سامنے نالوں سے ملنے کے لئے کا مقصد علم کے ساتھ علمائے حق
 تہذیب کا حصول ہی ہے۔ استاد کو چاہئے کہ اپنے قول و فعل سے شاگرد کو انداز
 حمیدہ سکھائے اور اس کی سیرت و کردار کی اصلاح پر توجہ دے تاکہ اس سے

شاگرد کے فرائض

شاگرد کے فرائض سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو کسی شاگرد پر استاد و احقر سے
 کے لئے لازم آتی ہیں۔ شاگرد کے فرائض حسب ذیل ہیں۔

۱۔ علم کی لگن: شاگرد کا اولین فرض یہ ہے کہ اپنے اندر علم کی لگن و پیاس پیدا کرے
 کیونکہ اس کے بغیر علم حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ تحصیل علم کے دوران طالب علم کو طرح طرح
 کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے اگر اس میں علم حاصل کرنے کا سچا جذبہ
 اور جوش و ولولہ ہوگا تو وہ بہت یاد دہانی سے تمام امور کو سمجھنے کیلئے بعض اوقات طویل
 سفر اور فقر و فاقہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر علم سے
 دلچسپی اور فائق و شوق کا سرمایہ حاصل کرنا ضروری ہے۔
 علمائے سلف میں تحصیل علم کی اس قدر لگن تھی کہ انہوں نے اس راستے میں دور دراز
 مالک کا سفر کیا اور کئی کئی سفر کا فاقہ برداشت کرنا ضروری قرار دے دیا۔ چنانچہ
 امام مالک کا کہنا ہے کہ "کوئی شخص علم و دانش کے لئے پہاڑی وقت تک نہیں پہنچ
 سکتا۔ جب تک کہ اس پر فقر و فاقہ کی مار نہ پڑے اور اسے وہ سب چیزیں ترجیح
 نہ دے۔" امام شافعی سے پوچھا گیا کہ ہمیں علم کیلئے کجاں جانا چاہئے تو فرمایا "اپنے
 اور پر اہل و عیال کے لئے سفر کرنے کے لئے علم کے لئے سفر کرنے کے لئے ہرگز نہیں۔ اور اگر
 کی طرح صبح سویرے اٹھنے سے

علم کی لگن تک پہنچنے پر توجہ دینی چاہئے کہ علم کی بات بلا توجہ جس سے بھی ملے حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن علم کے حصول کے لیے علم حاصل کرنے میں کھار محسوس ذکر سے۔ امام ابو نعیم نے فرمایا ہے کہ اساتذہ امام مالک سے تیرہ سال بیٹے تھے لیکن ان کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں اس طرح کوئی بچہ بیٹے باپ کے ساتھ رہتا ہے۔

۲۔ اساتذہ کا ادب و احترام : شاگرد کا ایک ہم فرض ہے کہ وہ اپنے استاد کا

احترام اور اس کا احترام کرے۔ اس کی پوری پوری اطاعت و قریب واری بھی کرے۔ نافرمانی، گستاخی اور بے رخی یا کوئی اور ایسی بات نہ کرے جس سے استاد کو تکلیف یا کوئی سختی پہنچے ہو۔ اگر کسی وقت اس کا سخت الفاظ کہہ دے تو محسوس نہ کرے کہ اس استاد کا شاگرد۔ شاگرد کے مہلائی کے لیے ہوتا ہے استاد کی عزت و تکریم بالکل اسی طرح کرنی چاہئے جس طرح حقیقی باپ کی عزت کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اپنے استاد حضرت زید بن ثابتؓ کو کتاب پکڑ کر پلٹے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے علمائے کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں۔

۳۔ علم کا احترام

شاگرد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ استاد کے علاوہ علم کا بھی احترام کرے کیونکہ علم کے تعظیم کیے بغیر علم حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر وہ کسی فعل بھی ایسا نہ کرے جو توجہ ہے جس سے علم کے احترام کو صدمہ پہنچتا ہو۔ کتابوں کو نہایت سلیقے و قریب سے اور ادب و احترام سے رکھنا چاہئے اور علم حاصل کرنے کے لیے علم کے تمام تقاضے خود پہنچانا چاہئے چنانچہ امام زین العابدینؓ فرماتے ہیں : "علم کے لیے یہ بھی کسر کشان ہے کہ اسے اس کے حاصل کرنے والے کے گھر پہنچایا جائے۔"

۴۔ احساسِ قیاس : شاگرد کو اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس

ہونا چاہئے۔ وقت کی پابندی کرے، سبق یاد کرے اور جو کام اسے دیا جائے اسے

کھٹکتے اپنے فریقوں کی جانگلیں میں غفلت کی سستی کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔

پڑھتے تھے، جی نہ ہوتے۔

۵۔ صحت کی حفاظت :- شاگرد کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ اپنی صحت و تندرستی

کا بھی خیال رکھے کیونکہ تندرست جسم تندرست دماغ کا پیش نمبر ہے۔ جسم و دماغ کے بھی کچھ انسان پر حقوق ثابت ہوتے ہیں ان لیے ہر وقت انہیں تفصیل علم کی مشقت میں مبتلا نہیں رکھنا چاہیے بلکہ کچھ وقت انہیں آرام بھی دینا چاہیے۔ بے اگر طالب علم ہر وقت کتابی کپڑا بنا رہے گا تو اس کی صحت برباد ہو جائے گی جس کا خیانہ اسے پختی عمر میں ادا کرنا پڑے گا۔ لہذا طالب علم کو چاہیے کہ وہ تفصیل علم کے ساتھ ساتھ اپنی جسمانی صحت کا بھی خیال رکھے اور کھیل کود سے اس کی پستی قائم رکھے۔

۶۔ گندہ سیرت و کردار :- شاگرد کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ اپنے کپ کو گندہ سیرت

و کردار کا حامل نہ بنے۔ شریعت کا پابند ہو، استاد کے نقش قدم پر چلے۔ ہمیشہ ہم جماعتوں سے پیار و محبت اور غلوں و بگاڑوں سے بچے اور ہمیشہ اعلیٰ اخلاق کا نمونہ بن کر رہے۔ کبھی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ طعنے نہ دیں، لغو بات نہ کہیں، لغو اخلاق نہ دیکھیں۔ کام ترک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ فضائل اخلاق اور بلندی کردار کا ثبوت دے تاکہ اپنے اساتذہ اور مکتب کے لیے عزت و وقار پیدا کرے۔

۶۔ شہری

مقہم :- شہری کے لیے عربی زبان میں مدنی اور حضرونی کے الفاظ مستعمل

ہیں اور اس کے لغوی معنی شہر کا رہنے والا ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مراد

ہر وہ شخص ہے جو کسی مملکت یا ریاست کا باشندہ ہو خواہ وہ شہر میں رہتا ہو یا قصبہ
 میں دیہات میں رہتا ہو یا خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتا ہو وہ ہر جگہ شہری تصور ہوگا
 شہری کیلئے رنگ و نسل اور قوم و مذہب کی بھی کوئی قید نہیں بلکہ ایک مملکت
 کے تمام باشندے خواہ کسی رنگ، نسل، قوم، اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں
 شہری کہلاتے ہیں۔ البتہ غیر مسلم شہری کو ذمی کا نام دیا جاتا ہے۔

اہمیت

انسانی مدنی الطبع ہے اور انسانی معاشرے کا قیام ناگزیر ہے۔ معاشرتی زندگی
 کی ابتداء گھریا خاندان سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد اقارب اور ہمہایہ کے
 دائرہ میں وسیع ہوتے ہوئے معاشرے کے دائرے میں پوری وسعت اختیار
 کر لیتی ہے۔

شہری کو معاشرے کی تشکیل اور ریاست کے قیام میں نہایت اہم مقام حاصل ہے
 کیونکہ ریاست یا مملکت کی نہ صرف تشکیل بلکہ کامیابی کا بھی انحصار اچھے شہریوں پر
 ہوتا ہے۔ شہریوں کے تعاون کے بغیر امور ریاست سرانجام نہیں دیتے جا سکتے
 شہری اگر ساس ذی فہم، حقوق و فرائض سے آشنا اور اچھے کردار کے حامل
 ہوں تو لازماً ایسی ریاست بہترین ہوگی اور اگر شہری نیک سیرت و اعلیٰ
 اخلاق کے حامل نہ ہوں تو ریاست بھی اچھی نہیں ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ شہری
 اور ریاست لازم و ملزوم ہیں۔

شہری کے فرائض

حقوق شہری سے مراد وہ مراعات ہیں جو ایک شخص کو کسی مملکت یا ریاست
 کا فرد ہونے کی حیثیت سے حاصل ہوں۔

اسلامی ریاست میں شہری کے حقوق کو دست برد چھڑیل شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے
دعا غریب (معاشی رج) مواشرقی (د) سیا

دعا مذہبی حقوق

۱۔ آزادی عقیدہ : اسلام تمام نبی نصح انسان کو کئی آزادی مذہبیت دین عطا کرتا ہے اور ہر ایک کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جو نسا عقیدہ یا مذہب چاہے اختیار کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

لا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ دین میں کوئی جبر نہیں

اسلام رواداری سمجھاتا ہے اور دوسرے عقائد مذہب کا وجود برداشت کرنے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ تعالٰی کا پیغام محمد سے اور اسلام کی فوقیت و برترت ثابت ہو سکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ میثاق مدینہ سے کیا تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام باشندگان کو آزادی حاصل ہوگی۔

اس میں حکومت نہ لگے کسی کو مذہبی عقیدہ و مذہب پر مجبور نہ کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کے لیے اجازت دوسروں پر مذہبی ایسے ربا و ذال سے قائل ہونے میں تعلق رکھنے والے افراد اپنے آپ کو ذمہ دار بنا کر قائم رہ سکتے ہیں اور کسی کو اپنا مذہب یا عقیدہ دوسروں پر عیب دہانے یا ہراساں کرنے کا ذریعہ ہر شخص یا گروہ اپنے عقیدہ مذہب کی طرف سے دوسروں کو ہراساں کرنا ہے بلکہ حکومت پیرسوں کو تبلیغ دین سے روک کر رکھتی ہے۔

آزادی عبادت : عقیدہ و مذہب کی طرح اسلامی ریاست کے ہر شہری

کی عبادت کی نکل آزادی بھی حاصل ہے۔ یعنی ہر شہری جس طرح چاہے اپنے مذہب و عقیدہ کے مطابق عبادت اور مذہبی رسومات کو انجام دے سکتا ہے حکومت یا کسی دوسرے شخص کو اس میں دخل اندازی کا حق حاصل نہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے پیروں کو بھی اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کی پوری آزادی حاصل ہے اور ان کی تمام عبادت گاہوں مذہبی مقامات کے تقدس و احترام کو برقرار رکھا جائے گا بلکہ اسلامی حکومت ان کے تحفظ کی بھی ذمہ دار ہے۔ اسی احتیاط کے پیش نظر فتح یندا مندی کے موقع پر حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کے گرجا میں نماز ادا کرنے سے احتراز کیا میاواہن کے ایسا کرنے سے مسلمان غیر مسلموں کے معبودوں کو مسجدوں میں بدلنے کا جواز پیدا نہ کر لیں۔

(ب) معاشی حقوق

۱۔ آمد و خرچ کا حق : ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ریاست کے تمام معاشی وسائل سے استفادہ کرے اور اپنی مرعی و منشاء کے مطابق خرچ کرے بشرطیکہ آمد و خرچ دونوں کے ذرائع جائز ہوں۔ مثلاً ڈاکہ، پوری، جوار، دھوکا، بیوی وغیرہ سے دولت حاصل نہ کی جائے اور زنا، شراب وغیرہ حرام کاموں پر خرچ نہ کیا جائے۔

مقصود معاش کے لیے کسی شخص کو کوئی خاص پیشہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور ملازمت وغیرہ میں سب شہریوں کو مساوی مواقع میسر ہوتے ہیں اسی طرح ادنیٰ و اعلیٰ ملازمتوں کے درمیان سب کے لیے کھلے ہوتے ہیں اور ہر شخص کو محض اسکی ذاتی اہلیت و صلاحیت کے مطابق ملازمت مہیا کی جاتی ہے۔

۲۔ حق روزگار : اسلامی ریاست کے ہر شہری کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے روزگار مہیا کیا جائے۔ ہر شہری کو تعلیم و تربیت کے ذریعے اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنا روزگار خود کما سکے اور ہر ایک کو اس کی استعداد و قابلیت کے مطابق ذریعہ معاش مہیا کیا جائے۔ الغرض کسی شخص کو بیکار نہ رہنے دیا جائے اور اگر کسی کو کام نہ مل سکے تو حکومت اپنے بیت المال سے اس کی بنیادی ضروریات پوری کرے۔

(ج) معاشرتی حقوق

۱۔ حق زندگی : اسلامی ریاست کے ہر شہری کو آزاد و پرامن زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہے۔ کسی شخص کو نہ تو غلام بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی قید میں رکھا جاسکتا ہے حتیٰ کہ بغیر اثبات جرم حکومت بھی کسی کو قید میں نہیں ڈال سکتی۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کرے تو اسلام قصاص کا مطالبہ کرتا ہے۔ الغرض ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ حکومت اس کی زندگی کی محافظ ہو۔

۲۔ حق عزت و آبرو : معاشرتی اعتبار سے تمام شہری مساوی عزت کے مستحق ہیں اور ہر ایک پر دوسرے کا احترام یکساں لازم آتا ہے۔ اس لیے کوئی شخص کسی دوسرے کو نہ تو گالی دے سکتا ہے نہ ہی اس کی بے عزتی کر سکتا ہے اور نہ ہی بہتان ماری کر سکتا ہے اور اگر کوئی ایسا کرے تو قانون کی نگاہیں سزا کا مستوجب ہوتا ہے۔

۳۔ حق مساوات : اسلامی ریاست کے ہر شہری کو قانون کی نگاہ میں مساوات و برابری حاصل ہے۔ عدالت کے سامنے مسلم و غیر مسلم، آزاد و غلام، امیر و غریب کوئی تفاوت نہیں سب کیلئے یکساں قانون ہے اور سبھی برابر کی حیثیت رکھتے ہیں خلافت علیؑ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت علیؑ کی گشاہ زہراؑ ایک یہودی کے پاس دیکھی گئی۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ عدالت نے یہودی اور یہودی عدالت میں برابر بٹھارے ہوئے۔ عدم شہادت کی

بنا پر فیصلہ حضرت علیؑ کے خلاف دیا گیا لیکن آپ نے برائے محسوس کہا اس بات سے
 یہودی اتنا متاثر ہوا کہ اسلام لے آیا۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کی لاتعداد مثالیں
 موجود ہیں کہ عدالت کے سامنے شاہ و گدا ایک ہی حیثیت سے پیش ہوئے۔

۴۔ حق ملکیت :- ہر شہری کو ریاست میں جائداد رکھنے کا بھی حق حاصل ہے یعنی ہر
 شخص اس بات کا مجاز ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جائداد خریدے، رکھے اس سے
 استفادہ کرے اور بوقت ضرورت فروخت بھی کرے۔

ہر شہری کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو رہائش کیلئے مکان حاصل ہو۔ اگر کوئی شخص خود
 مکان حاصل نہیں کر سکتا تو حکومت کا فرض ہے کہ اس کی رہائش کا انتظام کرے۔ اسی طرح
 اگر کسی شخص کا مکان حادثہ وغیرہ سے تباہ ہو جائے تو اس کا متبادل انتظام بھی حکومت
 کے ذمہ ہے۔ نیز ہر شخص کی جائداد و مال کا تحفظ کا ذمہ بھی حکومت پر عائد ہوتا ہے۔

۵۔ حق معاہدات :- اسلامی ریاست کے ہر شہری کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ
 دوسروں کیساتھ باہمی معاملات کے متعلق معاہدے کر سکے۔ باہمی معاہدوں سے دوسروں

فرق ان معاہدوں کو منسوخ بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ایک معاہدہ توڑنے پر رضامند
 نہ ہو تو دوسرے سے اپنا حق طلب کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ضرور
 ہے کہ کوئی ایسا معاہدہ نہ کیا جائے جو بشرعیت اسلامیہ یا حکومت کی سالمیت اور مفاد
 کے منافی ہو مثلاً غلاموں کی تجارت، اغوا اور بندشی اشیاء کی خرید و فروخت وغیرہ۔

۶۔ حق تعلیم :- ہر شہری کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اسے ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم
 کے مواقع دستیاب کیے جائیں۔ ہر شہری کیلئے ابتدائی تعلیم مفت ہونی چاہئے اور وہیں
 قلیل افراد کیلئے اعلیٰ تعلیم کا بھی معقول انتظام ہونا چاہئے۔ اسلام دینی و دنیاوی

دولوں قسم کی تعلیم کا مطالبہ کرتا ہے اس لئے تعلیمی نصاب ایسا ہونا چاہئے جو
 دینی و دنیاوی دونوں قسم کے علوم کو حاوی ہو۔

(۵) سیاسی حقوق

۱۔ حق رائے دہی :- اسلامی ریاست میں ہر شہری حکومت میں حصہ دار ہوتا ہے۔ اور حکومت کی تشکیل اور انتظام میں رائے دینے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اسلامی حکومت شوریٰ کے اصول پر قائم ہوتی ہے۔ جس کی تشکیل کے لئے ہر عاقل و بالغ کو رائے دہی کا حق حاصل ہے اور اس معاملہ میں کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی ریاست میں قوانین کے مانند کتاب و سنت اور اجتہاد ہیں۔ کتاب و سنت کے احکام توڑے نہیں لیکن اجتہاد کا حق صرف علماء اور فقہاء کو حاصل ہے۔ البتہ بعض عام ضرورتوں اور رسم و رواج کے متعلقہ امور میں عوام کو بھی رائے دینے کا حق حاصل ہے۔

۲۔ حق منصب :- ہر شہری کو یہ حق بھی پہنچتا ہے کہ وہ حسب استعداد و قابلیت حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو سکے۔ اس میں کسی قسم کا امتیاز روا رکھنا درست نہیں۔ البتہ سربراہ حکومت کے عہدہ کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے۔ باقی عہدوں کے لئے منصب کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے قابلیت کو ملحوظ رکھا جائے۔

۳۔ حق محاسبہ :- ہر شہری کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ حکومت کے کارناموں کا محاسبہ کرے اور حکومت کے سربراہ اور اس کے مشیروں پر تعمیری تنقید کر سکے۔ اسلامی نقطہ نظر سے حکومت اپنے امور کے لئے خدا تعالیٰ تکہ عوام کے سامنے بھی جواب دہ ہوتی ہے۔

خليفة اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت میں عوام کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا کہ "لو کوا! اگر میں کتاب و سنت پر عمل کروں تو

میری پیروی کرنا اور اگر اس سے بھٹک جاؤں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایک مرتبہ لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگوں کو مجھ پر تمہارے متعدد حقوق ہیں جس کے بارے میں تمہیں سجدے سے باز پرس کرنی چاہیے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے مجلس میں بار بار آپ کو ٹوکا وہ سحرے شخص نے اسے روکنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے کہتے دو۔ اگر عوام ہمیں نہ ٹوکیں تو ان وجود بیکار ہے۔ اور اگر ہم ان کی نہ سنیں تو ہم بے مصرف ہیں۔

حکومت کا محاسبہ کرنے کے لئے ہر شہری کو تحریر و تقریر کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ عوام اخبارات و رسائل کے ذریعے حکومت پر تنقید کر سکتے ہیں۔ اور مشورے دے سکتے ہیں۔ اسی طرح مذہبی تنقید و مشورہ کے لئے عوام کے اجتماعات بھی منعقد کئے جاسکتے ہیں۔ اس ضمن میں بات بد نظر رکھنا ضروری ہے کہ تنقید تعمیری ہو اور اس کا انداز بھی پر امن ہو۔ فتنہ و فساد اور بد امنی پھیلانا مقصود نہ ہو۔

یہ وہ ذمہ داریاں ہیں جو کسی شخص پر ایک ریاست کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے لازم آتی ہیں۔

فرائض شہری

۱۔ اطاعت و تعاون :- اسلامی ریاست کے ہر شہری کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ حکومت و ملت کی اطاعت کرے اور اس کے ہر معاملے میں تعاون کا ثبوت دے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول
کی اطاعت کرو۔ اور جو قوم سے حاکم ہو
اس کی اطاعت کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں خدا سے تقویٰ رکھنے کی اور حکومت کا حکم سننے اور بجالانے کی چاہیے۔ کوئی غلام تم پر امیر ہو جائے تو اسے آبیہ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

ہر شہری پر لازم ہے کہ وہ حکومت کے تمام قوانین کی بھی پابندی کرے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے اور اس کی ترقی و سلامتی کے لئے ہر قسم کے ایشار و قربانی سے دریغ نہ کرے۔ ذمیوں پر یہ بھی لازم ہے کہ انہوں نے حکومت سے جو معاہدات کر رکھے ہوں ان کی پابندی کرے۔

۲۔ محمولات کی ادائیگی :- اسلامی مملکت میں ہر شہری کا دوسرا فرض ہے کہ وہ حکومت کے عائد کردہ محمولات کو باقاعدگی سے ادا کرے یعنی محصول مذہبی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ، عشر وغیرہ ان کا ادا کرنا خدا اور اس کی خوشنودی کا بھی موجب ہے۔ اس کے علاوہ بعض محمول حکومت نظم و نسق چلانے اور رفاہ عامہ کے کاموں اور دیگر ضروریات کے لئے بھی عائد کر سکتی ہے۔ ایک شہری کے لئے ان تمام محمولات کا برعنا و رعیت ہونا ضروری ہے تاکہ حکومت کے کاموں میں خلل واقع نہ ہو۔

۳۔ خدمتِ خلیفہ :- ہر شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ملک و قوم کی بے لوث خدمت کرے اور اپنے قاصر اوقات کو عوام کی خدمت میں صرف کرے۔ اپنی جائز ضروریات پورے کرنے کے بعد جو رقم بچے اس میں سے کچھ حصہ خدمتِ خلق کے کاموں میں خرچ کرے مثلاً سکول، ہسپتال، نیرات خانوں کے قیام میں رقم صرف کرے۔

۴۔ **قرض شناسی** - شہری کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ قرض شناس
 ہو۔ اپنے اور دوسروں کے حقوق و فرائض سے پوری طرح سے آگاہ ہو۔ اپنے پر ہمیشہ
 دوسروں کے حقوق کو ترجیح دے اور محض حقوق کا طلبگار ہونے کی بجائے فرائض کی
 انجام دہی پر توجہ دے۔ کیونکہ اس پر معاشرے کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔

اچھے شہری کے اوصاف

اسلامی نقطہ نظر سے ایب اچھے شہری کے اہم اوصاف حسب ذیل ہیں۔
 ۱۔ نیک سیرت ہو۔ ایک اچھے شہری کے لئے ضروری ہے کہ نیک سیرت اور عمدہ
 صفات اور عملی اخلاق کا مالک ہو۔ عبادت گزار، متقی اور پیر گار ہو۔ بائناظرہ ایک
 اچھا انسان ہو۔

۲۔ **پابند قانون** ہو۔ اچھے شہری کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ حکومت کا فرمانبردار
 ہو اور حکومت کے عائد کردہ احکام و قوانین کی پوری طرح پابند رہتا ہو۔
 ۳۔ **قرض شناسی** - اچھے شہری کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ قرض
 شناس ہو۔ اپنے فرائض سمجھتا اور دوسروں کے فرائض کی پابندی کرے۔
 ۴۔ **پائندہ** رہے۔ ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ پائندہ ہو اور حکومت سے یہ معاملات
 میں رہنمائی لیتا ہو اور حکام کو ضروری معاملات میں اپنی تجاویز دے۔
 ۵۔ **مبلغ** نہ ہو۔ ایب صفت یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی تبلیغ کرتا ہو۔
 ۶۔ **دیر سے کاموں سے روکتا ہو**۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی منکر پر عمل کرتا ہو۔
 ۷۔ **رواں اور**۔ اچھے شہری کے لئے رواں ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی دوسروں
 کے مسائل اور عقائد وغیرہ کو برداشت کرے اور مخالفین کے اعتراضات
 کو صلہ سے سنے اور ملکی مفاد پر اپنی خواہشات کو قربان کر دے۔

۷۔ محنتی:۔ اچھے شہری کے لئے محنتی نہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ یعنی اس میں اپنے ذاتی اور قومی و ملکی امور کو انتہائی محنت و جانفشانی سے انجام دینے کا جذبہ ہونا چاہیے۔

۸۔ صفائی پسند:۔ اچھے شہری کے لئے ضروری ہے کہ وہ صفائی پسند ہو۔ اور حفظانِ صحت کے اصولوں کا پورا پورا خیال رکھتا ہو۔

۹۔ امن پسند:۔ اچھے شہری کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ امن پسند ہو۔ صلہ و صدقائی کی زندگی بسر کرتا ہو۔ اور لڑائی، جھگڑا، فساد و غیرہ سے اجتناب کرتا ہو۔

باب

القرآن

(در معانی)

ترجمہ و تشریح

القرآن

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ آخری و مکمل کتاب ہے جو اس نے تمام نبیوں پر انسان کی ہدایت و رہبری کے لیے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

نزول: قرآن پاک کی وحی حضرت جبرائیل امینؑ کے کراٹے رہے۔ سب سے پہلے وحی غار حرا میں اتری جبکہ حضور اکرمؐ کی عمر پالیس برس تھی۔ یہ سورۃ علق کی ابتدائی آیات پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد قرآن پاک پانچ سو بائیس سال کے عرصے تک نازل ہوتا رہا۔ سب سے آخری سورۃ المائدہ کی وہ آیت تھی جس میں تکمیل دین کا اعلان کیا گیا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۶۳ برس تھی اور یہ آیت آخری حج کے موقع پر اتری۔ قرآن پاک کا ہر حصہ مکی آیات کا ہے جو مکی زندگی یا مکہ کے قریب و حوا میں نازل ہوا اور مدنی آیات کا ہے جو مدنی زندگی یا مدینہ میں اترے۔

تذوین: آنحضرتؐ پر جب وحی اتری تو آپؐ اسے ازبر کر لیتے اور پھر صحابہؓ کو سنا دیتے تھے۔ صحابہؓ میں سے بعض زبانی یاد کر لیتے تھے اور بعض جو کاتبان وحی تھے لکھ لیتے تھے۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں پورے کاپورا قرآن پاک نازل ہو چکا تھا۔ حضورؐ اور اکثر صحابہؓ کو مکمل حفظ تھا اور کئی ایک صحابہؓ کے پاس قرآن پاک کا لکھا ہوا مکمل نسخہ موجود نہ تھا کیونکہ اس زمانہ میں لکھنے کی سہولتیں عام نہ تھیں۔

عہد صدیقیؓ میں حفظ قرآن کی مدد سے ان نوشتوں کو ترتیب دے کر قرآن پاک کے مکمل کتاب کی صورت میں مدون کیا گیا اور عہد عثمانیؓ میں اس کی تمام دنیائے اسلام میں اشاعت کی گئی۔

حفاظت و اہمیت : قرآن پاک مکمل و محفوظ کتاب ہے اور نازل ہونے سے آج تک بحفاظت پہلی آئی ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی کیوں کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود باری تعالیٰ نے لیا ہے۔ فرمایا: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لِحَافِظُونَ** (بیشک ہم نے یہ کتاب نازل کی اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں)۔ قرآن پاک تمام شی نوع انسان کی ہدایت و رہبر و انبیا سے لینا کہ ارشاد ہوتا ہے: **فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ** ۰ **إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ** ۰ **لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَعْلِمَ** ۰ (تو تم کدھر چلے جا رہے ہو؟ یہ تو ایک کتاب نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے تم میں سے جو کوئی سیدھا راستہ چلنا چاہے)۔

تقسیم : قرآن پاک ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہے۔ سورتوں کی حیثیت ابواب کی ہے۔ ہر سورۃ میں ایک یا زیادہ رکوع ہیں جو پیرا گراف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر رکوع متعدد آیات یعنی جملوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کو پڑھنے کی سہولت کے لیے سات منازل آدھیں پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر ہر پارہ چار برابر حصوں یا ربعوں میں منقسم ہے۔ قرآن پاک کے آخری ربع میں ۱۸ سورتیں ہیں۔

الفاظ اور معانی

ذیل میں قرآن پاک میں بار بار آنے والے الفاظ کے مطالب دیے جاتے ہیں :-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
وَعِبَادُ	کیا ساتھ	فِي	میں
سَوِّفَ	جلد، مختصر پس اتوار سو، پھر	مِنَ	طرف، تک
وَالَّذِينَ	مانند، جیسے تو، تیرا	عَنْ	پر، اوپر
وَأُولَئِكَ	یہ	مِنْ	جو، ان میں
أَمَّا	اور	هَٰذَا	اس
أَنَّ	مجھ، میرا	كَانَ	کیونکہ
إِنَّهَا	کہ	هِيَ	وہ
الَّتِي	بیشک	بَرَاءةٌ	بر، سب، تمام
نَحْنُ	نہیں	بِهَا	بہانہ
تَبِيرٌ	کیا، نہیں، جو	بِهَا	گو یا
	جو، اس	بِهَا	ہرگز نہیں
	مجموعہ	بِهَا	کبھی نہیں، ہرگز نہیں
	گروہ، سوائے	بِهَا	میں
	تحقیق ہے	بِهَا	اس، یہ
		بِهَا	تھا

۱۔ الْقَدْرُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔ اور تمہیں کیا معلوم

مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ

کے شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اسی ہی روح

أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوحِ

الابن اور فرشتے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں

فِيهَا يَأْتِنُ رَبُّهُمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ ۝

ہر طور سے سلامی ہے۔ یہاں تک کہ مجھ

رہی حتی مطلع الفجر

طلوع ہو جائے

مشکل الفاظ کے معانی و تشریح : اَنْزَلْنَاهُ = ہم نے اتارا :
 لَيْلَةً = رات ، شب : الْقَدْرُ = قدر والی ، عزت والی : اَدْرَاكَ = نہیں
 معلوم ، تم جانو : خَيْرٌ = بہتر : اَلْفِ = ہزار : نَهْرٌ = مہینے :
 تَنْزِيلٌ = نازل ہوتے ہیں ۔ اَنْزَلْنَاهُ = اَنْزَلْنَاهُ = فرستے :
 الرُّوحُ = روح الامین ، جبرائیل : بِاِذْنِ = حکم سے : رَبِّنَا = ان
 کا رب : اَنْزَلْنَاهُ = تمام ، سب : اَمْرٌ = امور ، کام ، جانب :
 سَلَامًا = سلامتی ، امن :

وجہ تسمیہ : اس سورۃ کا نام منقول لیلۃ القدر یعنی عزت و قدر والی
 رات ہے اس لیے سورۃ کا نام بھی یہی ہے ۔

سبب نزول : یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ۔ روایت ہے کہ نبی پانچویں
 میں ایک شخص اتنا عبادت گزار تھا کہ تمام رات قیام کرتا تھا اور دن بھر شکر و ثناء
 دین کے خلاف جہاد کرتا تھا ۔ ایک ہزار مہینے یہی کرتا رہا ۔ صحابہ کرام رضی اللہ
 اس کے بارے میں سننا تو فکر مند ہوئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ
 نازل فرمائی ۔

ایک دوسری روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی
 اسرائیل کے چار عابدوں کا ذکر کیا جو اسی سال تک خدا کی عبادت میں محو رہے
 اور ایک لمحہ بھی خدا کی نافرمانی نہ کی ۔ یعنی حضرت ابوہریرہ ، حضرت زکریا ، حضرت
 یونس اور حضرت یونس بن نون ۔ اس پر صحابہ کرام نے فکر مند ہوئے کہ جبرائیل
 یہ سورۃ کے کہ نازل ہوئے ۔

تشریح آیات : اس سورۃ میں لیلۃ القدر کی قضیائیں ہیں جو

ہے۔ اس رات کی پہلی تہذیبیت یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک نازل کیا گیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے پیرائے سران حکیم لوح محفوظ سے آسمان اول پر اتارا اور پھر وہاں سے نجا نجا آنحضرت پر سوا بائیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ قرآن پاک کی پہلی وحی بھی اسی رات میں ان کی

اس رات کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت پھر نازل اور دوسری خصوصیت اللہ کے حکم سے رحمتیں لے کر خصوصاً نازل ہوتے ہیں۔ اس طرح اللہ کی رحمت کا فیض عام جاری ہوتا ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ یہ رات شہرِ کائنات و بلا سے سلامتی کا پیغام ہے۔ اس رات میں نیچو کارول کے لیے امن رہتا ہے اور شیطانی آفات بے اثر رہتی ہیں۔ لیلۃ القدر فیضانِ رحمت اور پیغامِ امن و سلامتی تمام رات جاری رہتا ہے۔

لئے فیوض و برکات والی رات کب آتی ہے اس کا اشارہ پہلی آیت میں ہے کہ اس رات میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔ نزول قرآن سے متعلق قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ فرمایا *شہورہ رمضان الذی انزل فیہ القرآن*۔ رمضان المبارک کا مہینہ ہے جس میں قرآن پاک اتارا گیا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں واقع ہے۔ آنحضرت نے بھی فرمایا کہ رمضان المبارک میں ایک رات ہے جو ہزار مہینے سے افضل ہے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرہ میں واقع ہے ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ طاق راتوں میں ہے۔ یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ ویں رات ہے جس کے نزدیک یہ رات بدل بدل کساتی ہے لیکن اکثر روایات کے یہاں تو یہ رمضان المبارک کی تالیسویں شب ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ آل حضرت اس رات کے ثواب کے لیے رمضان کے پورے آخری عشرہ میں

۲۔ الْبَيِّنَاتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

لَمْ یَكُنْ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِیْنَ

جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے اور مشرکین وہ کافر سے

عَمَلِیْنَ حَتّٰی تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنْ اللّٰهِ

باز آنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آجانی یعنی اللہ

بِیِّنَاتٍ صٰحِحٰتٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۲ فِیْهَا كِتٰبٌ وَبَيِّنٰتٌ ۝۳ وَمَا لِقٰوْ

کے رسول جو پاک صحیفے پڑھتے ہیں جن میں مستحکم احکام ہوں۔ اور اہل

الَّذِیْنَ اٰتُوْا الْكِتٰبَ الْاٰمِنِیْنَ اٰتٰی مَا جَاءَتْهُمْ

کتاب سے اختلاف نہیں کیا گویا صیح دلیل آجانی کے بعد۔ اور انہیں

الْبَيِّنَاتُ ۝۴ وَمَا اَصْرَوْا اِلَّا لِحَبِیْبِ اللّٰهِ مُخْلِصِیْنَ

نہ نہیں دیا کیا تھا کہ وہ خالصتاً اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیسے ہو کر

لَهُ الَّذِينَ هُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں یہی سچا دین ہے۔ بیشک جو لوگ کافر

وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ

ہیں۔ ان کتاب میں ہے اور جو کفر ہو وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے، ہمیشہ

الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ

اسی میں رہیں گے۔ وہی سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ بیشک جو لوگ

أُولَئِكَ هُمُ السُّرَّاءُ ۗ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے وہ سب

الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَيْرُ أُولَئِكَ هُمُ السُّرَّاءُ ۗ

مخلوق سے بہتر ہیں۔ ان کا عملہ ان کے پروردگار کے

لِيُخْرِجَهُنَّ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۗ إِنَّ الظُّلُمَاتِ أظلم

پاس ہمیشہ رہنے والے باغیانہ ہیں ان کے نیچے نہیں

خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۗ وَالَّذِينَ

بہتر ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش

عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ حَشِيَ رَبَّهُ ۝

ہوا اور وہ اس کے خوش ہونے سے اس کی نسبت سے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے

تسکل الفاظ کے معانی و تشریح :-

لَمَّا بَيْنَ = نہ تھے :- کفر و کفر کیا، کافر :- اہل الکتاب
 پہل کتاب ہیں پر الہامی کتب نازل ہوئیں، یہود و نصاریٰ وغیرہ :- المشرکین
 مشرک ہند کے ساتھ شرک کرنے والے :- منافقین = یا ان کے واسطے والگ
 رہنے والے :- نَانِيَهُمْ لَمَّا كَرِهَ الْغَيْبُ :- واضح دلیل
 کھلی دلیل :- يَتْلُوا = وہ پڑھتے ہیں :- صَحَافًا مَّحْفُوفَةً سَمَانِي كَلِمَاتٍ :-
 کتب :- کچھ ہوتے (حکام الہی) :- تَسْبِيحًا مَشْغُورًا بِضُرُوبٍ :-
 تَقْرُوبًا :- متفرق ہوتے، اختلاف کیا :- تَوَلَّوْا = دیکھتے :- جَاہِلِيَّةً
 ان کے پاس آئی :- اُصْرًا = وہ کہہ دیتے گئے :- نِيحِيْدًا = کہہ عبادت کریں
 مُخْلِصِينَ = غاوص کے ساتھ :- حُفَاءً دَكِيْمًا عَوْرًا :- تَقْرُوبًا = وہ ہم
 کوئی :- الصَّلَاةَ = نماز :- يُؤْتُوْا = ادا کریں :- نَامِرًا = لگ جہنم :-
 خَلْدِيْنَ = ہمیشہ رہیں گے :- اَوْلِيَاءًا وَّوٰی لُوْكَ = شَرِيْقِيْنَ :-
 اَلْبَرِيَّةَ = مخلوق :- اٰمَنُوْا = وہ ایمان لائے :- عَمِلُوْا = انہوں نے عمل کے
 الصَّلٰحَاتِ = نیک، دوست، اچھے :- تَسْبِيْرًا = سب سے بھلائی :- جَزَاءً
 بدلہ :- عَمَلًا = اس سے :- جَنَّتْ = باغات :- بَشِيْرًا = عَذَابًا = ہمیشہ
 رہنے والے :- تَجْرِيْ = جاری ہیں، بہتی ہیں :- حَشِيْهَا = ان کے لیے :-
 اَلْاَنْهَارُ = نہریں :- اَبَدًا = ہمیشہ :- رَضِيْ = راضی ہوا، خوش ہو :- بَشِيْرًا = ان
 سے :- رَضُوْا = وہ خوش ہوئے :- اِلَيْهِمْ = اس لیے :- حَشِيَ = ڈرا :-
 رَبَّهُ = اس کا پروردگار :-

درجہ تسمیہ : بعثت نبوی کفار اور مشرکین کے لیے اتمام حجت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے البقیہ (یعنی کھلی اور واضح دلیل) کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس سورۃ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے لہذا یہی سورۃ کا نام ہوا۔

سبب نزول : یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی۔ کفار اہل کتاب نبی مشرکین مکہ کی طرح دین اسلام کے منکر تھے اور ہر طرح اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ تھے۔ حالانکہ اسلام سابقہ ادیان کی تکمیل تھا لہذا اس سورۃ میں آنحضرتؐ کی بعثت کو کفار و مشرکین کے سامنے بطور ایک واضح دلیل پیش کیا گیا۔

تشریح آیات : اہل کتاب میں بعثت نبوی کا مقصد بیان کیا گیا ہے آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت تمام کفار اور مشرکین بے نعت جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے لہذا اتمام حجت کیلئے حضور اکرمؐ کو آخری و مکمل کتاب ہدایت قرآن حکیم دے کر بھیجا گیا۔

اگلی آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے دین اسلام سے اختلاف کیا حالانکہ یہ دین اصولی طور پر سابقہ ادیان کے موافق تھا۔ اور اہل توحید ظالمی، قیام نماز اور ادائے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا اور یہی حکم پہلے ہی دیا گیا تھا۔ مگر اہل کتاب تو ہمیشہ سے اختلاف کرتے چلے آتے تھے۔

آخری تین آیات میں المسائل کے اعمال کا انجام بیان ہوا ہے یہود و نصاریٰ بتلایا یا مشرکین عرب و عجم جو بھی اللہ و رسولؐ کا کفر کریں گے اور کتاب اللہ کو جھٹلائیں گے وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں اس کے برعکس جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے وہ بہترین مخلوق ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوگا اور وہ اللہ سے خوش ہوں گے۔

س۔ الزلزال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاخْرَجَتِ الْاَرْضُ

جب زمین زلزلے سے پلا دی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ نکال

اَنْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ یَوْمَئِذٍ تُخَدِّعُ

ڈالے گی اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس روز وہ اپنے حالات

اَنْحِبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا ۝۵ یَوْمَئِذٍ یُّصْدِرُ

بیان کرے گی۔ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اسے حکم دیا ہوگا۔ اس دن

النَّاسِ اَشْتَاتًا لِّیُرَوِّاْ اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ یَعْمَلْ

لوگ گروہ درگروہ نکلیں گے۔ تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائیں

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرٰۤی ۝۷ وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ

جائیں۔ پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی۔ وہ اس کو دیکھ لے گا اور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ دسرا سیرہ ⑤

جس نے ذرہ بھر پلائی کی ہوگی وہ بھی ایسے دیکھ لے گا

مشکل الفاظ کے معانی و تشریح

زُكِرَتْ = پلائی جائے گی : الْأَرْضُ = زمین : زَلَزَانِيهَا
لے کر زلزلے سے، اپنے بھونچال سے : أَخْرَجْتِهَا = نکال پھینکے گی :
أَشْقَاهَا = اس پر غم دینے اور مروے : قَالَ = کہے گا :
مَالَهَا = اسے کیا ہو گیا : يَوْمَئِذٍ = اس روز، اس دن : مُخَلَّدَاتٌ
بیان کرے گی : أَخْبَارَهَا = اس کی خبریں، اس کے حالات : سَرَبَتٌ
تیرا پروردگار : أَوْحَى = وحی کی، حکم کیا : يَبْصُرُ = دکھیں گے :
النَّاسُ = انسان، لوگ : أَشْتَاتًا = گروہ درگروہ، الگ الگ،
مختلف جماعتوں میں : لِأَيِّرُوا = تاکہ دیکھ سکتے جائیں : أَعْمَالِهِمْ = ان
کے اعمال : يَعْمَلُ = عمل کیا ہوگا : مُثْقَلًا = وزن، بوجھ :
ذُرًّا = ذرا، مقورًا : خَيْرٌ = نیکی، سہلائی : بَسْرًا = اس کو دیکھ
لے گا : يَشْرُ = بھلائی :

وجہ تسمیہ : اس سورہ میں قیامت کے نشتر ہونے کا ذکر ہے کہ

اس روز شدید قسم کا زلزلہ آئے گا جس سے ساری زمین الٹ پلٹ ہو جائے
گی۔ اسی مذاہبت سے سورہ کا نام "الزلزل" رکھا گیا۔

سبب نزول : اس سورہ کے شروع میں تین آیات ہیں بتایا گیا ہے کہ

قیامت کی ابتدا زمین کی شدید جنبش سے ہوگی۔ زمین پر ایک نور و صیحت نازل
ہوگا۔ ساری زمین الٹ جائے گی اور قیامت تک زمین ہونے والے سبب سے

اور وہ جیتے باہر پھینک دیئے جائیں گے۔ سو ناچاندی جو اسرات ان طرح پڑے
 سنا گئے کہ لوگ ان کی طرف نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھیں گے۔ بلکہ اٹھوس گریں گے
 کہ اس دولت کی خاطر انہوں نے فلاں فلاں ظلم کیوں کیا؟ انسان زمین کی اس کیفیت
 پر حیران و پریشان ہو گا کہ اس پر یہ زبردست زلزلہ کیوں کسٹا رہا گیا۔
 اگلی دو آیات میں بتایا گیا ہے کہ اس روز زمین کو قوت گویا عطا ہوگی
 اور تمام لوگوں کے حالات و واقعات بیان کرنے کی اور گواہی دے گی
 کہ فلاں شخص نے فلاں نیکی کی اور فلاں نے فلاں بدی و نافرمانی کی۔ یہ اس لیے کہ
 اللہ تو یہ حالات بتانے کا اسے حکم دے گا۔

آخری دو آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ اس روز لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے
 گروہ و گروہ نکلیں گے نیک نیکوں میں شامل ہوں گے اور بدہ بدکاروں میں ہونگے
 پھر ان کو ان کے اعمال سے جیتے جائیں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال دیکھ لے گا جس
 نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ بھی اس کے سامنے آجائے گی اور جس نے ذرہ برابر برائی
 کی ہوگی وہ بھی اسے دکھا دی جائیگی۔ پھر انہی اعمال کے مطابق انہیں اجر دیا جائیگا
 اس بیان کا مدعا یہ ہے کہ انسان برائیوں سے بچے اور نیک اعمال کی
 طرف توجہ دے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ معمولی نیکی کا کوئی صلہ نہ ہوگا اور اس
 طرح معمولی گناہوں پر کوئی گرفت ہوگی بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے کام بھی
 اللہ تعالیٰ اجسروں سے گناہ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ نیکی کو حفر نہ جانو
 اگر تیرے کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک دوسری
 حدیث میں فرمایا کہ دو گناہوں کو ہلکانہ سمجھو یہ سب مل کر آدمی کو ہلاک کر دیتے
 ہیں۔

۴۔ اَلْعَدِيَّةُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَالْعَدِيَّةُ ضَبْحًا ① فَالْمُورِيَّةُ قَدْحًا ② فَالْمُخَيَّرَةُ

قسم ہے، ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی جو بائپ جاتے ہیں پھر سب مار کر

ضَبْحًا ③ فَالْمُخَيَّرَةُ قَدْحًا ④ فَالْمُخَيَّرَةُ قَدْحًا ⑤

چنگاریاں نکالتے ہیں پھر جمع کے وقت جملہ کرتے ہیں پھر ایساں اگلتے ہیں پھر اگوت

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ⑥ وَإِنَّ عَلَىٰ ذَٰلِكِ

دشمن کی اجاعت میں گھس جاتے ہیں بیشک انسان اپنے رب کیلئے ناشکر گزار ہے۔

لَشَهِيدًا ⑦ وَإِنَّ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدًا ⑧ أَفَلَا

اور بیشک وہ خود اس پر گواہ ہے اور بیشک وہ مال کی سخت محبت لگتا ہے کیا وہ نہیں جانتا

يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِي

جگہ کر دیا جائے گا جو کچھ قبور میں ہے اور ظاہر کر دیا جائیگا جو کچھ سینوں میں ہے؛ بیشک

الصُّدُورِ ۱۴۱ اِنْ رَبِّهِمْ يَوْمِئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۱۴۲

ان کا پروردگار اس روز ان سے خوب باخبر ہو گا

مشکل الفاظ کے معانی و تشریح

و قسم : العِدَّيَاتُ = سرپٹ دوڑنے والے (گھوڑے) :
 ضَبْحًا = ہانپتے ہوئے (گھوڑے) : اَلْمُوسِرَاتُ = چگاریاں
 نکالنے والے (گھوڑے) : قَدَمًا = سم پارکر : اَلْمُخَيَّرَاتُ
 حکم کرنے والے : صُبْحًا = صبح کے وقت : اَثْرَانُ = اڑانے
 ہیں، اٹھاتے ہیں : نَقَعًا = گردوغبار : قَوْسُطَيْنِ = گھس جاتے ہیں
 جَمْعًا = جماعت، فوج : لَكِنُودٌ = ناشکر گزار، احسان ناشناس :
 لَشْرَهِيْدٌ = گواہ، آگاہ : لَحِيْبُ الْخَيْرِ = ہالی کی نبت کیلئے :
 لَشَدِيْدًا = پکا، سخت : اَفْلَاةٌ = کیا نہیں پہنچتے : وہ جو اٹتا، وہ
 سمجھتا : بَحْتِرٌ = کریداجائے گا، نکالاجائے گا : حُصِّلَ = ظاہر
 کیا جائے گا : اَلصُّدُورُ = سینے، دل : لَّخَبِيْرٌ = خوب باخبر ہے۔
 پورا واقف ہے :

وجہ تسمیہ : عادیات، سرپٹ دوڑنے والے اور آفا کی مرضی کے
 مطابق جاں نثار کرنے والے گھوڑوں کو کہتے ہیں جو صحیح جذبہ شکر گزار
 کی علامت ہیں۔ اس صورت میں چونکہ انسان کی ناشکری کا ذکر کرتے ہوئے
 اسے شکر گزار بننے کی دعوت دی گئی ہے اور ان گھوڑوں کی مثال پیش کی گئی
 ہے۔ لہذا اس کا نام عادیات رکھا گیا۔

سبب تسمیہ : یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ قریش مکہ شرک و بت

پستی میں مبتلا تھے اور اللہ کی سخت ناکہ گزاری کے مترتیب ہو رہے تھے جس کا سبب یہ تھا کہ وہ محبت دنیا میں بھی طرح گرفتار تھے۔ لہذا ان پر حقیقت واضح کرنے اور ان کی اصلاح کے لیے یہ سورت نازل کی گئی۔

تشریح آیات: قرآن حکیم میں جو اللہ تعالیٰ کی قسموں کا ذکر ہوا ہے

وہ شہادت اور مضبوط دلیل کے طور پر ہوا ہے۔ اس سورت کے شروع میں پانچ آیتیں اور تیز رفتار گھوڑوں کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے کہ عربوں میں ایسی قسمیں کھانے کا عام رواج تھا۔ یہاں گھوڑے کو وفا شعار کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ گھوڑا اپنے مالک کا اس قدر وقار ہوتا ہے کہ اس کے جبر حکم کی تعمیل کرتا ہے حتیٰ کہ جان تک قربان کر دیتا ہے۔ آیات ۶ اور ۷ میں بتلایا گیا ہے کہ انسان اس کے برعکس کتنا ناشکر گزار ہے کہ اپنے رب کو صحیح طور پر پہچانتا بھی نہیں۔ جس رب نے اسے یرتندگی عطا کی اور اس کی بیشمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ پھر اس خرابی کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ وہ مال و دولت کی شدید ہوس میں مبتلا ہے۔ دولت سمیٹتا ہی اس کی زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔ مال کے لیے لفظ خیر استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مال فی نفسہ بڑی چیز نہیں بلکہ اس کی "شدید ہوس" ہی اصل خرابی ہے۔

آخری تین آیات میں آگاہ کیا گیا ہے کہ دنیا و دنیاوی مال و زندگی عارضی چیز ہے۔ آخر کار یہ سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا اور ہر چیز کی حقیقت سامنے آ جائے گی۔ لہذا انسان کو اس روز آخر کو نہ بھولنا چاہیے اور ہوس زریں مبتلا نہ ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ خدا کا ذکر بجا لاتے رہنا چاہیے۔

۵۔ الْقَارِعَةُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ③ يَوْمَ

وہ کھڑا کھڑا ڈالنے والی کیا ہے؟ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ کھڑا کھڑا ڈالنے والی کیا ہے؟

يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْتُوثِ ④ وَتَكُونُ الْجِبَالُ

اس دن لوگ بچرے ہوئے پتھروں کی طرح ہوں گے۔ اور پہاڑ رنگ برنگ کی

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ⑤ فَأَمَّا مَنْ نَقَلَتْ مَوَازِينَهُ ⑥ فَهُوَ

دھنی ہوئی اون کی طرح ہوں گے۔ پس جس کی نیکیاں بھاری ہوں گی تو وہ

فِي عِلْسَةٍ رَاضِيَةٍ ⑦ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ⑧ فَأَمَّهُ

خوشی کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ

حَاوِيَةٍ ⑨ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ⑩ نَارُ حَامِيَةٍ ⑪

”ہاویہ“ ہوگا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے

شکل الفاظ کے معانی و تشریح

الْقَارِعَةُ = کھڑکھڑاؤ لگنے والی (یعنی قیامت) : اَدْرَاكٌ = تم جاہلو
 تمہیں معلوم ہو کیونکہ = دن، بعد : یَرِکُونُ = ہوں گے : اَلْفَرَاشُ
 پتکے، پٹنے : اَلْبَتُّونُ = بکھرے ہوئے، پریشان : اَلْجِبَالُ
 پہاڑ : اَلْجِبْنَ = سنگسنگ اعلیٰ : اَلْمُنْفُشُ = وہی ہوئی :
 فَاَمَّا = تو، پس : اَتَقَدَّتْ = بھاری ہوں گی : مَوَازِينُہ
 اس کا وزن بد عیثیہ = عیش، آرام، زندگی : اَرْضِیۃٌ و خوشی، پسند
 خَفَّتْ = ہلکے ہوں گے : اَمۡۃٌ = اس کا ٹھکانہ : اَوۡحَاوِیۃٌ = جہنم
 کا ایک طبقہ :

وجہ تسمیہ : اس سورت میں قیامت کا ذکر ہے۔ قرآن پاک میں

قیامت کے کئی نام آئے ہیں مثلاً حَاقَّةٌ و حق ہونے والی : اَعَابِیۃٌ
 دہچا جانے والی : اَوۡغُرُہُ - اونچی میں ایک اَلدُّوۃُ ہے جو اس سورۃ کا نام ہے

سبب نزول : یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ کفار و مشرکین کو خدا اور

رسول کی مخالفت میں روز بروز بڑھتے جا رہے تھے اور راہ حق کی طرف نہیں

آتے تھے لہذا یہ سورۃ نازل ہوئی تاکہ انہیں قیامت کی بولناکیوں اور جہنم

کے عذاب کا نقشہ دکھا کر راہ حق اختیار کرنے پر آمادہ کیا جاسکے

تشریح آیات : اس سورۃ میں قیامت کی بولناکیوں کی ایک جھلک

دکھائی گئی ہے کہ اس دن ساری زمین پر ایک نہایت خوفناک اور پریشان کن

کھڑکھڑاہٹ ہوگی۔ اس کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر اور مستحکم

پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور دھنسی ہوئی روٹی کی طرح فصفا میں اڑتے

پھریں گے اور انسانوں کی گویا ہڈی و پریشانی اور خوف و ڈر کا یہ عالم ہوگا کہ

وہ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہر سال دوسرے نیمہ پھریں گے

سورۃ کے آخری حصہ میں بتایا گیا کہ اس افراتفری کے عالم میں صرف وہی لوگ آرام اور چین میں ہوں گے جن کے اعمال اچھے ہوں گے اور جن کے پاس نیکیاں زیادہ ہوں گی اور اس کے برعکس وہ لوگ جن کے نیک اعمال ختم ہوں گے اور گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوگا وہ جہنم کے اس طبقہ میں ڈالے جائیں گے جسے "رادیر" کہتے ہیں اور جو دیکھتی ہوئی اور سمجھتی ہوئی آگ ہوگا۔ اس آگ کے باسے میں حدیث میں آتا ہے کہ وہ ہماری اس آگ سے ستر گنا زیادہ تیز ہوگی۔

۶۔ الشکائر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْهٰکُمُ التَّکٰثِرُ ① حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② کَلَّا

تمہیں کثرت کی خواہش نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ کَلَّاسُوفَ تَعْلَمُوْنَ ④

پھر نہ نہیں کاوش تم یقیناً کے ساتھ جان لیتے۔ تم ضرور جہنم

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝

کہ دیکھو گے۔ پھر تم ضرور اسے یقین کی

تَمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ لَتسَسَّلَنَ ۝

پہنچے سے دیکھ لو گے۔ پھر اس دن تم سے

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْلِ ۝

نعتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائیگا۔

تفسیر الفاظ کے معانی اور تشریح :-

الْهَكْمُ :- تمہیں غافل کر دیا :- التَّكَاثُرُ :- کثرت کی خواہش، دنیاوی
 ساز و سامان کی ہوس :- خُرُوجُكُمْ :- تم نے زیارت کی، تم نے جا دیکھیں، تم دفن
 ہوئے :- بِالْمَقَابِرِ :- قبریں :- كَلَّا :- ہرگز نہیں، خبردار :- سَوْفَ
 عَتَقِيْبٍ :- جلد :- تَعْلَمُونَ :- تمہیں علم پہنچائے گا، تم جان لو گے :-
 عِلْمَ الْيَقِينِ :- یقینی علم :- لَتَرَوُنَّ :- تم ضرور دیکھ لو گے :- الْجَحِيمَ
 جہنم، دوزخ :- عَيْنَ الْيَقِينِ :- یقین کی نظر :- لَتَسَسَّلَنَ :- تم سے
 ضرور پوچھا جائے گا :- النَّعِيْلِ :- نعتیں :-

وہ لہجہ :- اس صورت کا مرکزی مضمون کثرت کی خواہش اور دنیاوی ساز و

سامان کی ہوس ہے کہ اس نے انسانوں کو کس طرح غلامی سے غافل کر دیا ہے۔ لہذا

اس سورۃ کا نام التکاثر ہوا۔

سبب نزول :- یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت مشرکین عرب کثرت

کی خواہش، دنیا کی جاہ و شہرت اور مال و زر کی بڑی ہوس میں اس حد تک مبتلا
 تھے کہ ایک دوسرے پر ظلم و ستم کرتے تھے اور بے جا فخر و غرور کا اظہار کیا کرتے
 تھے۔ روایت ہے کہ انصار کے دو قبائل آپس میں اس حد تک فخر و غرور کرنے لگے
 کہ ایک کتا دیکھ رہم میں غلام شخص کتنا بہادر یا مال دار ہے اس پر دوسرے قبیلے،
 واسے اس سے بڑھ کر بیان کرتے پھر دونوں قبیلوں کے لوگ قبرستان جا کر اپنے
 اپنے مردوں کی قبروں کی طرف اشارہ کر کے فخر و غرور کا مظاہرہ کرتے تھے اس پر اللہ
 تعالیٰ نے یہ سورہ نازل کی اور کثرت ہوس کے انجام سے متنبہ کیا۔

تشریح آیات: اس سورت کی ابتدا میں مال و زر اور جاہ و منصب کی ہوس
 اور کثرت کی خواہش کو احکام خداوندی سے غافل کر دینے والی چیز قرار دیا گیا ہے اور
 یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں اس قدر ٹھوہڑے جاتے ہیں کہ زندگی کے اصل مقصد
 کو بھول جاتے ہیں اور عمر بھر دولت اور عیدوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں
 کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر وہ اپنے والہن کو نہیں پہچانیں گے اور اللہ کی نعمتوں
 صحیح طور پر استغمال نہیں کریں گے تو مرنے کے بعد تم اس حرص و ہوس اور اعمال بد کا
 انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور تمہیں کوئی تسک و شہہ باقی نہ رہے گا۔ پھر
 اس وقت تم سے اللہ کی دعا کی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہذا انسان کو
 چاہیے کہ اس یوم الآخر کا آج ہی احساس کرے کثرت کی ہوس سے بچے اور اللہ
 کی عطا کردہ نعمتوں کا صحیح استغمال کرے۔

العصر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ

قسم سے زمانے کی بیشک انسان خسارے میں ہے۔ مگر جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَوْ أَنَّهُمْ وَالْحَقُّ ۝

ایمان لائے اور نیکہ اعمال کئے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق

وَلَوْ أَنَّهُمْ وَالْحَقُّ ۝

کی تلقین اور عہد کی تاکید کرتے رہے

شکل الفاظ کے معانی اور تشریح :-

العصر = عصر کا وقت، نمانہ، خُسْر = خسارہ، نقصان :-

آمَنُوا = ایمان لائے، وَعَمِلُوا = اعمال کیے، الصَّالِحَاتِ =

صالح، نیک، درست، وَلَوْ أَنَّهُمْ وَالْحَقُّ = ایک دوسرے کو تلقین یا

نصیحت کی۔

وچھ تہ صبر : اس سورہ میں مصروفی زمانہ کو انسانی اعمال کے انجام پر بطور شہادت

پیش کیا گیا ہے لہذا اس سورہ کا نام تہ صبر ہے۔

سبب نزول : یہ سورہ مکہ میں آغاز نبوت کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ اس

ورد میں مسلمان بہت مختصر سے تھے اور انہیں طرح طرح کی مشکلات و مصائب کا سامنا تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ ان مسائل کو نسلی و شخصی حیثیت سے دور رکھ کر حق کی تبلیغ کرتے رہیں اور بارگاہ ربی سے کامیابی کے امیدوار رہیں۔ لہذا یہ سورہ نازل کی گئی۔

نشر صح آیات : اس سورہ کے آغاز میں زمانے کی قسم کھا کر بتائی ہوئی

تیز رفتاری کی طرف توجہ لیا گیا ہے اور بیٹھا یا کھڑے کہ جگہ گزرنے پر صبر و سہہ کرتے ہیں اور اسی کے عرصے میں وہ گھاٹے میں رہتے ہیں اور جھڑانے کو کافی سمجھ کر سختی کی فکر کرتے ہیں اور اس کے لیے تیار کر کے ہیں وہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔

پہا پھر اس سورہ میں کامیابی کے چار سنہری اصول بیان کئے گئے ہیں :-

(۱) ایمان : پہلا اصول اللہ پر ایمان ہے تاکہ انسان اسی کے احکام کے مطابق

زندگی بسر کرے (۲) اعمال صالحہ : کامیابی کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اعمال میں

بہتر وسائل ایمان کی عملی صورت ہیں (۳) تلقین حق : تیسری چیز تلقین حق ہے

یعنی خود ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کے بعد دوسروں کو بھی حق کی تبلیغ و

تلقین کی جائے۔ اسی میں سبب نبی نوع انسان کی ظاہر منظر ہے (۴) تاکید صبر

تبلیغ دین کے سلسلے میں مسلمان کو طرح طرح کی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا

پڑتا ہے لہذا کامیابی کا چوتھا اصول صبر و استقامت ہے یعنی مسلمان ان مصائب

کو برداشت کر کے صبر و استقامت سے کام لیتا ہے۔

۱۔ اَلْهَيْرَةُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، مہربان، رحم کرنے والا ہے

وَلِیْلِ لِكُلِّ هَيْرَةٍ لَمْسَةٍ ۱۰ الَّذِیْ جَمَعَ مَا لَا وَعَدَا ۱۱

خیرا ہے ہر طعنے میں سے واسطے عیب لگانے والے کیلئے جس نے مال جمع کیا

يَحْسِبُ اَنْ مَالَهُ اَخْلَصَ ۱۲ كَلَّا لِيُنَبِّذَنَّ فِي

اور گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس

الْحَطْبَةِ ۱۳ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْحَطْبَةُ ۱۴ نَامُ

رے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور دو حطہ میں ڈالا جائے گا۔ اور

اللّٰهِ الْمَوْقِدَةُ ۱۵ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلٰی الْاَفْوِدَةِ ۱۶ اِنَّمَا

تو کیا سمجھا کہ دو حطہ کیا ہے؟ اللہ کی نظر کانی ہوتی ایسا آلہ جو

عَلَيْهِمْ مَوْجِدَةٌ ۱۷ فِی تَعْمِدِ مَمْدُودَةٌ ۱۸

وہاں تک جا پہنچے گی۔ بیشک وہ ان پر لپٹے لپٹے ٹانگوں میں بند کر دی گئی ہے۔

وَسِيلٌ مِّنْ عَرَابِ اَلْفُجُوْرِ ۚ وَكَانَتْ

مسئلہ الفاظ کے معانی و تشریح : لِكَلِّ = ہر ایک کے لیے :

حَمْرٌوةٌ = طعن ہے والا ، منہ پیرا کہنے والا : لَمْرَةٌ = عیب لگانے

والا ، عدم موجودگی میں عیب کرنے والا : بَمَّعَ = جمع کیا ، اٹھا کیا ، سمیٹا ،

تعداد : گن گن کر رکھا ، کھنڈ : وہ گمان کتنا ہے : ہاں اس

سوال میں : اَحْلَاكًا = ہمیشہ سے گنا : لَمِيْنًا = وہ ضرور نکلا جائے

گنا : اَلْمَوْءَدَّةِ = توڑنے پھوڑنے والی ، جہنم کا ایک طبقہ : اَلْمَوْءَدَّةِ

بمیر گمانی بھولی : عَمِدٌ = ستون : مَمْدُوْرًا = لیے

مستحکم : اس سورہ کا مرکزی مضمون عیب پھینی کرنے والے طرز میں

ہاں اور ہوس زریں مبتلا شخص کو اس کے انجام سے آگاہ کرنا ہے لہذا اس

سورہ کا نام المہزہ رکھا گیا۔

سبب نزول : یہ سورہ مکہ میں آنحضرت میں نازل ہوئی جبکہ کفار مکہ

آنحضرت کو تشک کرتے ، طعن دیتے اور آپ پر عیب لگاتے تھے حالانکہ بعثت

سے قبل ہی لوگ آپ کے مداح تھے۔ لہذا ان کفار و مشرکین کو تندرست کیلئے

یہ سورہ نازل ہوئی۔

تشریح آیات : اس سورہ کی ابتدائی آیات میں تین بڑی نواہیوں میں مبتلا

انخاص کی تنبیہ و مبربادی کا اعلان کیا گیا ہے۔ ایک العترہ یعنی طعن دینے والا جو

شخص کسی کے منہ پر اسے بڑا کہتا ہے۔ اور اس کے عیب نکالتا ہے دوسرا ،

لمرۃ یعنی پس پشت عیب لگانے والا یعنی بخل خور اور تیسرا مال سمیٹنے اور گن

گن کر رکھنے والا یعنی جو شخص اٹھا بچل و کچوس سے کہ بابا کا سانپ بنا بیٹھا ہے

اور ملک دولت کی ضرورت کے لیے بھی روپیہ نہیں نکالتا۔

اگلی آیات میں ایسے اشخاص کی تباہی و بربادی کی تفصیل بیان ہوئی ہے کہ یہ لوگ جو دنیاوی مال و عزت پر بے جا فخر و غرور میں مبتلا ہو کر دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ انہیں جہنم کے ایسے حصے میں ڈالا جائے گا جسے "حطمة" کہا گیا ہے۔ حطمة ایسی ٹھوس ٹھوس میں بھرنا ہوتی آگ ہے اور وہ ہر شے کو توڑنے سے بھونکنے والی ہے یہ آگ ان لوگوں کو بچانے کی طرح نہیں کر رہے گی اور ان کی زبانوں کو بھونک کر بھونک کر رہ جائیں گی۔ اس جہنم کی آگ کے شعلے اسی پیرے سے بھونکنے والے ہیں کہ ان سے سیدیں تک چڑھ جائیں گے اور ایسے ایسے ستونوں کی طرح چاروں طرف پھیل جائیں گے۔

وَالْقَيْسِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفویض اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الْمُتْرَكِیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِیْلِ ۝۱۰ الْم

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا

مکمل کیا ہوا ہے تمہاری تفصیل ۝۱۰ وَأَسْرَسِلْ عَلَیْهِمْ

اور ان پر بھیجے گا اور انہیں کیریاں اور غول کے غول

طَبِيرًا أَبَائِيلَ ۝ تَزْمِيرًا مَكْحُولًا ۝ سَجِيلًا ۝

پہلے کے جیسے : حوالہ پر لکھ کر کی پھریاں سمجھتے تھے

فَجَعَلَهُمْ كَصِفِّ تَنَّاكُولٍ ۝

پہن انہیں کھانسنے کو مجھو سے کی مانند کر دیا

مکحول الفاظ کی معنی و تشریح

البحر : کہا نہیں یہ تہرے ٹونے دیکھا وہ کیف : کیسے ہے
فَعَلَّ : کیا ہے : اَطْحَبِ الشَّيْلِ : لاشی والے مراد ، ابرہہ کا لشکر ہے : يَجْعَلُ
کر دیا ہے : كَيْدَهُمْ : ان کا ہوا یا کر : تَهْلِيلٌ : غلط کرتا ، کھارت کرنا ہے
أَسْرَعِلَ : جیسے : طَبِيرًا : پہننے : أَبَائِيلَ : غول کے غول ہے
تَزْمِيرًا : ان پر پھینکتے یا مارتے تھے : حِجَارَةٌ : پتھر ہے : سَجِيلًا
کونگر ، گنگر ، سنگدینے سے ہے : مَجْوِسَةٌ : مَجْسٌ : ماکڑا : کھایا ہوا ہے

وجہ تسمیہ : اس سورۃ میں تہرے کہ بادشاہ ارمیہ کے انقبول کے اس

لشکر کے تباہی و بربادی کا ذکر ہوا ہے جو نہانہ کعبہ کو مسمار کرنے کیلئے آیا تھا اور پھٹی
کہ عربی زبان میں قیل کہتے ہیں لہذا اس واقعہ کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام
بھی القیل ہوا ہے

سبب نزول : - یہ سورہ ابتدائی دور رسالت میں نازل ہوئی۔ اس زمانہ میں

قریش کہ خدا اور رسول کے سخت مخالف اور دشمن تھے لہذا انہیں زندہ جاہلیت کے
عبرتنا کہ واقعہ قیل کا حوالہ دے کر انہیں زندہ دشمنی کے انجام سے آگاہ کرنا مقصود تھا
اس لیے یہ سورۃ نازل ہوئی۔

واقعہ قبل یہ ہے کہ آل حضرت کی پیدائش سے تقریباً پچاس روز قبل یمن کا عیسائی
 بادشاہ ابیرہ نے تصیول کا قلعہ شہر کے کرخانہ کنبہ کو مساجد کو جس کی نینت سے مگر پور
 چڑھ آیا۔ قسریش مگر جو اس گھر کے متعلق تھے اس لئے کہ اس قدر توفیق ہو رہا ہے کہ
 کہ ستر چھوڑ کر چلے گئے مگر اللہ تعالیٰ کی لیلیٰ گھر کی حفاظت میں توفیق دینی۔ لہذا
 اللہ تعالیٰ نے یہ ہندوں کے غلے کے خزانے بھیج دیئے۔ حضرت یونس کے گھر سے باہر ہی اس
 لشکر پر اپنا چھوٹا بچوں سے پتھر کی کنگری لائی۔ اس زور سے ہر سائیں کی تمام لشکر تباہ
 و برباد ہو گیا۔

تشریح آیات: اس سورتہ میں شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والوں کے عبرت ناک

انجام کا بیان عورتوں سے لے کر اللہ اسلام کے وہ امتیازی نشانات ہیں جو اللہ کی عظمت
 و جلال کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً خانہ کعبہ، رسول اللہ، قرآن پاک اور شانہ وغیرہ
 اللہ کی حفاظت ملت اسلامیہ کا اولین فرض ہے اور اللہ بھی جان کا محافظ و نگہبان ہے
 لشکر ابیرہ جس نے حجاز کو طمانتہ کا منصوبہ بنایا تھا اس کی تباہی کا نقشہ
 اس طرح کھینچا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے ہندوں کے غلے بھیج کر اس
 لشکر کا مایہ نہایت کیا۔ یہ پیمانے سے اپنی چھوٹی چھوٹی لشکریوں میں پتھر کی ٹوکڑیاں
 کنگریوں سے کر نور اور تھوڑے اور اس لشکر پر اس زور سے پتھر اڑا دیا کہ ان میں سے
 کوئی بھی زندہ نہ رہ سکا۔ اگر اس لشکر کی تباہی کی یہ کہ فیصلہ ہوتی ہے جیسے کہا یا ہوا
 مجھوسہ ہو یا اجڑا ہوا کھیت ہو جسے جانور چرے گئے ہوں اور محض طمانتہ باقی
 رہ گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور شعائر اللہ کو نقصان پہنچانے والوں کا یہی انجام

ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲۰۰
قریش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

لَا اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ قَرِیْبٌ ۱ الْفِیْهِ رَحْلَةُ الشِّتَاءِ وَ

اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ اس میں سردی اور گرمی کے سفر سے

الضَّمِیْمِ ۲ فَاِیْتِیْنَا وَاٰرِبَ هٰذَا الْبَیْتِ ۳

ماتریں رہا۔ پس چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں

الْمَدِیْنَةِ اطْعِمُوْهُم مِّنْ جَوْعِهِمْ وَاَمْنُهُمْ مِّنْ خَوْفِهِمْ ۴

ہوں۔ انہیں جو کچھ چاہتا ہے اور خوف میں امن دیا

مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح :-

اِیْتِیْنَا :- مالوں کو کھانا، لانا، جو کھانا :- سیرا حِلَّة :- سفر :-
الضَّمِیْمِ :- سردی :- الْفِیْهِ :- گرمی :- قَلِیْبُ :- پس چاہئے :-
وَاٰرِبَ :- کہ وہ عبادت کریں :- ہا - مالک :- ہذا :- یہ :- اس
الْبَیْتِ :- ان کو کھانا کھلایا :- جَوْعِ :- بھوک

اَمْنَهُمْ اِنْ كُوْنُوا يَوْفِرُ خَوْفٍ - طرہ :-
 وہمہ نسیمیہ : قریش آنحضرتؐ کا قبیلہ تھا اور اس خاندان کے پہلے بزرگ
 کا نام فہر بن کنانہ اور لقب "گمیش" تھا جن سے یہ قبیلہ منسوب ہوا۔ اس سورۃ
 میں اپنی قریش تک کو مخاطب کر کے انہیں ان کے فرض منصبی سے ہلکا دکھایا
 ہے۔ لہذا اس کا نام "قریش" ہوا۔

سبب نزول : یہ سورت بھی مکہ میں آغاز نبوت میں نازل ہوئی۔ اس کا
 نزول سورۃ الفیل کے بعد ہی ہوا اور دراصل یہی سورۃ کا ترجمہ ہے۔ سورۃ الفیل
 میں اللہ تعالیٰ نے قریش پر اپنی نعمت سے کراں کا ذکر کیا تھا لہذا اس نعمت کی شکر
 گزاری کے طور پر انہیں اپنی عبارت کا حکم دینا ضروری تھا اس لیے یہ سورۃ
 نازل کی گئی۔

تشریح آیات :- اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قریش پر اپنے انعامات کا
 ذکر کرتے ہوئے ان سے شکر گزاری کی توقع کی ہے۔ قریش بہ اللہ تعالیٰ کے مین
 خصوصاً انعامات تھے۔ ایک یہ کہ قریش کے تجارت پیشہ لوگ گرمی سردی ہر
 موسم میں امن و امان سے تجارتی سفر کرتے تھے اور خوب فائدہ اٹھاتے تھے
 جبکہ دوسرے لوگ اتنا آسانی سے سفر نہ کر سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قریش
 کو کھانے پینے کی نعمتیں یا سہولتیں میسر تھیں، لوگ انہیں نذر نیاز دے جاتے
 تھے اور تلبسے سے یہ کہ انہیں ہر طرح سے امن حاصل تھا اور چودہ، طاکوہ، زانہرہ
 انہیں کچھ نہ کہتے تھے۔ قریش کی یہ ساری عزت و عظمت اللہ کے اس گھر کی
 بدولت تھی۔ لہذا ان خصوصاً انعامات و نوازشات کے صلہ میں ضروری تھا کہ قریش
 اللہ کے شکر گزار ہوں اور اس کی عبادت و بندگی بجا لائیں۔ دراصل قریش کے
 تجارت اس سورۃ میں ہر انسان کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نعمتوں

کے لیے اس کا شکر گزار بنے اور عبادت و بندگی سے اپنی شکر گزار کا اظہار کرے

الْمَاعُونَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَرٰهَيْتَ الَّذِیْ یُكٰذِبُ بِالذِّیْنِ ۗ فَاِنَّكَ الَّذِیْ بَدِءَ

کھاتم نے اس شخص کو دیکھا جو جوہم و سزا کو جھٹکاتا ہے۔ سو دیکھا ہے

الذِّیْمِ ۗ وَلَا یُحِضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ۗ فَوَيْلٌ

جو نہیں کر دے دتا ہے اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دتا

لِلْمَصْلِیْنِ ۗ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۗ

پس ایسے نڈر بول کیلئے خرابی سے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں

الَّذِیْنَ هُمْ سَرَّاعُونَ ۗ وَیَسْتَعْجِلُونَ الْمَاعُونَ ۗ

جو دھوکھا کرتے ہیں اور عام استعمال کی چیز عارفتا نہیں دیتے

مشکل الفاظ کے معانی و تشریح :-

أَرَعَيْتَ کیا تم نے دیکھا ہے : یُسْكَدُ بَابٌ وہ جھٹلانے سے بِالذِّمَنِ
 جزا و جزا اور مدنیہ جزا : یَسُدُّ عَنِ ذَمِّهِ دیکھ دیتا ہے : یُحْتَمِلُ
 ترغیب دیتا ہے : طَعَامٌ وَرِزْقٌ کھانا : الْمُسْكِينُ - محتاج ، محتاجین
 وَتِلْكَ خرابی ، افسوس ، ہلاکت : الْيُضَلِّينَ - ہناری : سَاهُونَ
 غافل : يُرَاعُونَ = دیکھا و کرتے ہیں ، یہ کاری کرتے ہیں : يَحْتَمُونَ
 منع کرتے ہیں ، نہیں دیتے : الْمَاعُونَ عام استعمال کی چیز ، معمولی برتنے

ذالی چیز

و پھر تسمیہ : اس سورت میں جزا و جزا کو جھٹلانے والے کا کردار بیان
 کیا ہے اور اس کا سبب افسوس ناک پہلو یہ بتایا ہے کہ وہ ماعون یعنی عام برتنے
 کی اشیاء دوسروں کو ادھار دینے سے روکتا ہے اس بنا پر اس سے سورۃ
 کا یہی نام ہوا۔

سبب نزول : یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت قریش مکہ جو کعبہ
 کے متولی تھے ان میں بہت سی خرابیاں اچھکی تھیں۔ انہوں نے حج اور اس کے
 تمام مناسک بگاڑ دیئے تھے تو حید اور غراب پروری کی سنت کو مٹا دیا تھا۔
 نماز کی حقیقت باطل کر دی تھی اور جزا و جزا کے منکر ہو چکے تھے لہذا اصلاح
 احوال کے لیے یہ سورۃ نازل کی گئی۔

تشریح آیات : اس سورۃ میں روز جزا کو جھٹلانے والے کا کردار بیان
 کیا گیا ہے اور ایسے شخص کی متعدد علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ اجل یہ کہ وہ یتیم
 کو دھکے دیتا ہے وہ فرد جو سایہ عاطفت اچھے حالت سے معاشرے میں
 بے سہارا رہ جائے۔ یتیم ہے۔ ایسے فرد کو شفقت و رحمت کی زیادہ ضرورت

ہوتی ہے مگر جزا و سزا کی پراہ نہ کرنے والا اس پر ظلم و ستم کرتا ہے۔ اس کا حق ماننا ہے اور اسے دھکے دیتا ہے۔

ایسے شخص کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ مسکین وہ شخص ہے جو نہایت قلیل آمدنی کی وجہ سے نہایت تنگی سے گزارا کرتا ہے۔ وہ حاجت مند تو ہے مگر عزت نفس کی خاطر دوسروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ ایسے شخص کی ضروریات کا خیال رکھنا زیادہ ضروری ہے مگر منکر جزا و سزا اس کی بھی پورا نہیں کرتا۔

اس شخص کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں غفلت برتا ہے اور صرف دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے۔ نماز دین کا رکن اور اولین فریضہ ہے لہذا اسے خشوع و خضوع سے پابندی وقت کے ساتھ ادا کیا جانا چاہئے مگر جسے جزا و سزا کی فکر نہیں وہ اس اہم فریضے سے بھی غفلت برتا ہے۔ اور شخص دکھاوے کے لیے نماز ادا کرتا ہے۔

اس شخص کی چوتھی علامت یہ بیاں کی گئی ہے کہ وہ اس قدر نجیل و کنجوس ہے کہ عام استعمال کی چیزیں دوسروں کو ادھار دینے سے بھی منع کرتا ہے مثلاً پانی، نمک، دیا سلائی، پنسل حالانکہ یہ اشیاء نہایت معمولی قیمت کی ہوتی ہیں گویا ایسے شخص میں دوسروں کی امداد کا قطعاً کوئی جذبہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ جزا و سزا کے دین سے لاپرواہ ہے۔

مختصراً اس سورتہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہیں کرتا، اپنی نمازوں میں غفلت اور ریاکاری کا مرتکب ہوتا ہے۔ یتیم و مسکین اور معاشرے کے دیگر ضرورتمند افراد کی امداد نہیں کرتا یہاں تک کہ معمولی ہونے کی چیزیں بھی دوسروں کو نہیں دیتا۔ ایسا شخص دراصل روز جزا کو جھٹلا رہا ہے اور اس کے لیے تباہی و بربادی کا ہے۔

۱۔ الْكُوثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اِنَّا اعطٰیكَ الْكُوثرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝

بیشک ہم نے تجھے کوثر عطا کی پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور قربانی کر

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

بیشک تمہارا دشمن ہی تمہارے نام و نشان ہو گا

مشکل الفاظ کے معانی و تشریح :-

اعطٰیكَ = ہم نے تجھے عطا کی : الْكُوثر = کثرت، بھیر کثیر، جوہن
 کوثر : فصل = پس نماز پڑھ : انحر = قربانی کرنا : شَانِئَكَ
 تمہارا دشمن : اَبْتَرُ = دم کٹا، بے اولاد، بے نام و نشان، مقطوع السلسل
 وخبہ تسمیہ : اس سورۃ میں اس بھیر کثیر کا ذکر کیا گیا ہے جو آنحضرت کو عطا
 ہوا۔ اس مناسبت سے سورۃ کا نام "الکوثر" ہوا۔

سبب نزول :-

یہ سورۃ ہجرت کے بعد مکہ میں نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مد

ماجزا سے حضرت فاطمہؑ اور حضرت عبداللہؑ کو پکچھ میں کی عورت ہونے کے لئے بعض
مفسرین اس پر آپ کو (معاذ اللہ) ایشتر کا طعنہ دینے کے لئے یہ کہتے تھے کہ
آنحضرتؐ کی کوئی اولاد تریبہ نہیں اس لیے آپ کی نسل منقطع ہو گئی اور آپ
نام و نشان (معاذ اللہ) مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس بے بنیاد
طعن کو لغو فضول قرار دینے کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔

تشریح آیات: اس سورۃ کی پہلی آیات میں اس خیر کثیر کا ذکر ہوا ہے
جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ نبی کریمؐ کے نام کے سر بلندی کے لئے آپ کو عطا کیا
مفسرین نے "کوثر" کے بہت سے معنی بیان کیے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے
مراد کوثر ہے جو حینت میں واقع ہے جس کا مشرق و مغرب سے بھی زیادہ
سفید، شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور آنحضرتؐ
صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اس سے اپنے امتیوں کو سیراب کریں گے
یعنی لے کر ثری سے جنانہ کعبہ مراد لیا ہے جو تمام فیوض و برکات کا مرکز ہے۔
بعض نے قنون حکیم مراد لیا ہے جو تمام نیکیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ بعض نے
اس سے دین اسلام مراد لیا ہے جس میں سب برکتیں اور رحمتیں شامل ہیں
اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد امت مسلمہ کی کثرت ہے جو باقی تمام امتوں
سے بڑھ کر ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں ہر طرح کا خیر کثیر مراد ہے جو آپ
کو عطا ہوا اور جس کی بدولت آپ کا نام زندہ جاوید رہے گا۔

دوسری آیت میں اس نعمت غیر مترقبہ کے عوض نماز اور قربانی کا حکم دیا
گیا ہے۔ دراصل نماز اور قربانی بھی اس امت مسلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے خاص
الطاعات ہیں اور بے شمار فیوض و برکات کے حامل ہیں۔ اگرچہ کھلی نماز اور قربانی
کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے ان دونوں قرآن کی نظر انداز کر دیا۔

آخری آیت میں آنحضرت کے دشمن کے ساتھ نلم و نشان اور مخطوط اور منسل
 ہونے کی بشارت دی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت کی اولاد زینہ
 ہونے کے باوجود آپ کا نام ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا مگر آپ کے اولاد
 کا نام اولاد زینہ کے باوجود مٹ جائے گا اور تحقیقت میں وہی یہ نسل
 ہے اولاد اور بے نلم و نشان ہوں گے۔ آنحضرت کی اولاد زینہ یہی ہے مگر
 آپ کو وہ سب کچھ حاصل ہوگا جو اولاد زینہ سے مقصود ہے۔ آپ کی
 امت کی کثرت بہتر ہے اولاد کے ہے۔

۳۔ الْكٰفِرُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ظہور اللہ کے نام سے جو پورا امر یا نجات بختم کرے والا ہے۔

قُلْ يَاۤیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُۤ اِلٰهًاۤ اِلَّاۤ اِلٰهًاۤ اَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ

اَیُّکَۤ اَتَّخِذُوْاۤ اَوْلِیَآءَۤ اِلَّاۤ اَوْلِیَآءَۤ اِلٰهٍۚ اِنَّۤ اِلٰهًاۤ اَحَدٌۚ ۝۳

اِنَّۤ اِلٰهًاۤ اَحَدٌۚ ۝۳ اِنَّۤ اِلٰهًاۤ اَحَدٌۚ ۝۳ اِنَّۤ اِلٰهًاۤ اَحَدٌۚ ۝۳

اور تم عبادت کرتے ہو گے اس میں عبادت کرو اور تم میں عبادت کرو اور تم میں عبادت کرو

وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا عَبَدْتُمْ لَكُمْ دِينَكُمْ وَلِي دِينٍ ۝

تم بندگی کرتے ہو اور تمہارے بندگی کرنے والے تمہاری عبادت کرتا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے

مکمل الفاظ کے معانی و تشریح :-

قُلْ = کہہ دیجئے (کہہ دیجئے) : یا ایہا الناس : اَللّٰهُمَّ میں
 عبادت کرتا ہوں : تَعْبُدُونَ = تم بندگی کرتے ہو : اِنْتُمْ = تم :
 عَابِدًا = عبادت کرنے والا : عِبَادَتُمْ = تم عبادت کرتے ہو
 دین یہ طریقہ، راستہ، مشرف :-

وجہ تسمیہ :- اس سورت میں کفار سے مکمل نفاطہ کا اعلان کیا گیا ہے
 اس لیے یہ سورۃ دو کافروں کے نام سے موسوم ہوئی۔

سبب نزول :- یہ سورت مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی
 جبکہ کفار و مشرکین کو حضرت کو قبول دعوت سے بالکل مایوس کر دیا تھا۔
 اور آپ کو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ تم ایک سال آپ ہمارے معبودان باطل
 کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی آپ کے خدا کی عبادت کریں گے،
 اس موقع پر یہ صورت نازل کی گئی اور آنحضرت کو حکم دیا کہ کفار سے اپنی پوری
 ہیزاری کا اعلان کر دیں۔

تشریح آیات :- اس سورت کی ابتداء لفظ قُلْ سے ہوئی ہے یعنی
 حضور کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ یہ بات زیادہ اہم اور زیادہ قابل توجہ ہے
 اس سورۃ میں بھی ایسی ہی اہم بات یعنی کفار سے مکمل نفاطہ کا ذکر ہوا ہے۔
 آنحضرت کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کفار و مشرکین کے سے قطع تعلق اور عبادت
 کا اعلان کر دیں کیونکہ تو عیاد و شرک یکجا نہیں رہ سکتے اور دونوں کا اتحاد

نا ممکن ہے۔ کفار کا طریق بندگی الگ ہے اور مسلمانوں کا طرز عبادت بالکل جدا ہے۔ کفار اپنے معبود وان باطل اور بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور مسلمان صرف خدا کے سامنے جھکتے اور شریک کے سامنے سر نیاز خم کھتے ہیں۔ کفار شرک بت پرستی کو چھوڑ کر تو وہ اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے بلکہ اپنے گناہوں کے مطابق قائم کی ہوئی راہ پر چلتے ہیں۔ لہذا صرف وہی ہوا کاں حضرت ان سے اور ان کے معبودوں سے مکمل طور پر علیحدگی اور تالیف بندگی کا اعلان کریں۔

سورت کے آخر میں یہ واضح کر دیا گیا کہ کفار کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور حضور کے اعمال آپ کے ساتھ ہیں۔ یعنی کفار و مشرکین کو اب ان کے کفر و شرک کی عزائم کی بجائے اور آنحضرت کو اطاعت الہی کے معاملے میں کامیابی و کامرانی کا عمل

۱۲۔ النصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَاٰتِیَ النَّاسِ

نَصْرُ اللّٰهِ کَانَ نَصْرًا عَظِیْمًا ۝

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جِئْتُمْ

کے دین میں جوق در جوق داخل ہوئے دیکھ لیا۔ پس اپنے رب کی طرف

سُیِّئَاتِكُمْ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكُمْ لَا يَكُنْ

کھانا ٹھیک بیان کر اور اس سے بچنا۔ ایک ایک وہ گنہگار کہ اللہ سے
شکل الفاظ کے معانی و تشریح
جاءتکم انکم منہم و انکم منہم و انکم منہم
بائیت و تم سے دیکھ لیا۔ انہوں نے لوگ و یاد خلوین
داخل ہوئے ہیں و دین و طریقہ راستہ شریعت و افواجا لافوا
دفعہ و جوق در جوق یہ کسب
استغفر و اس کی تفسیر مانگ
کرنے والا

وہ تفسیر اس سورۃ میں اسلام کی کامل نصرت و فتح کا ذکر ہوا ہے جس کا اطلاق
مفسر کر رکھا تھا اس لیے اس سورۃ کا نام بھی "النصر" ہوا۔

سبب نزول: سورۃ مدینہ میں فتح مکہ کے بعد مکہ داخل ہوئے۔ فتح مکہ سے قبل
ایک ایک دو دو آنحضرت اسلام لائے تھے۔ مکہ کے گرد و نواح کے قبائل قریش
کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ اسلام لائیں تو یہ بھی ان کے پیچھے اسلام قبول کریں
چنانچہ اس سورۃ میں فتح مکہ کی پیش گوئی کی گئی اور یہ بتایا گیا کہ یہ اسلام کی کامل فتح ہوگی
اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے۔

تشریح آیت ۱: اس سورۃ کی پہلی آیت میں فتح مکہ کا ذکر ہوا ہے اور یہ بتایا گیا

۱۵۔ الہیب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تَبَيَّنَتْ بِيَدِ ابْنِ لَهَيْبٍ وَتَبَيَّنَتْ مَا أَتَى عَنْهُ وَاللَّهِ

ابو لہیب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا۔ اس کے کام نہ آیا اس کا

وَمَا كَسَبَ سَيْبِي نَا مَرَاتٍ لَهَيْبٍ وَأَمْرَاتِهِ

مال اور جو اس نے کما یا عنقریب وہ شعلہ مارتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا

حَمَالَةَ الْحَطَبِ فِي حَيْدِهَا حَيْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ

اسکی بوی بھی جو پھر پرائید عن سے پھرتی ہے۔ اسکے گلے میں حید کی چھال کی سی ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معانی و تشریح: تَبَيَّنَتْ = ٹوٹ گئے، بِيَدِ = دستان

اِنَّهُ = ابو لہیب = آنحضرتؐ کا چچا امام عبید اللہ بن عباسؓ کا چچا، چہرہ شعلہ کی طرح

ہونے کی وجہ سے یہ کنیت مشہور ہوئی ہے۔ تَبَيَّنَتْ = ہلاک ہو گیا، مَا أَتَى = قاتل

وہاں کام لایا ہے کَسَبَ اس نے کما یا، سَيْبِي = در عنقریب ڈال

ہاٹے گا۔ یونہی آگ = ذانت لہب = شعلہ ہوتی ہوئی، مہر کوئی
 ہوئی = امرانک = اس کی بیوی؟ حتمالک = اٹھانے والی۔
 الحطب = امیر من، فکر پاں = حبیب = گردن، گلا، حیل
 سی = مستبد = عورتی خیال =

وجہ لہب لہب عربی میں بیکر گئی اور شعلہ ہوتی ہوئی ہلک کو کہتے ہیں۔ ابو لہب اور حضرت
 کے چچائی بھی کثیت تھی جو بہت بڑا دشمن اسلام تھا۔ اس سورۃ میں ابو لہب اور دیگر
 دشمنان اسلام کی تباہی و بربادی اور انہیں شعلہ مارتی ہوئی آگ میں ڈالنے کے بارے
 کا ذکر ہے۔ اس لئے اس سورۃ کا نام لہب رکھا گیا۔

سبب نزول اس سورۃ کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ
 جب آغاز اسلام میں آنحضرتؐ نے کوہ عفا پر چڑھ کر اپنے عزیز واقارب کو اسلام کی دعوت
 دی اور فرمایا کہ میری بات سنانو میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر ابو لہب بہت برہم ہوئے اور
 اور حضورؐ سے کہنے لگا تم ہلاک ہو۔ کیا تم نے ہم سے مل کر چاہا ہے؟ ابو لہب کی اس دشمنی
 کلامی کے باوجود آنحضرتؐ اسے اور دیگر اعدائے اسلام کو نہایت نرمی اور حکمت سے دیکھتے رہے
 حتیٰ وجہ سے۔ مگر یہ لوگ اور خضر صلاً ابو لہب آپؐ کی مخالفت میں حد سے بڑھ گئے۔
 آپؐ پر ضرر پہنچانے لگے، میں کاٹنے پھیلانے لگے، آپؐ کو بڑا کرکٹ پھینکا جانے لگا اور آپؐ
 کو بڑا اٹھلا کر اٹھایا گیا۔ جب ابو لہب اور اس کے ساتھیوں کی عداوت اتنا بڑھ گئی اور
 انجامِ جہنم کا فریضہ ادا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی کہ ابو لہب کے ساتھیوں کی
 ہلاکت اور فرناک تباہی کی پیش گوئی کی۔

تفسیر آیات اس سورۃ میں ابو لہب اور اس کی بیوی کی ہلاکت و تباہی کی پیش گوئی کی گئی ہے۔
 ابو لہب کے خاص طور پر ذکر کی وجہ یہ تھی کہ یہ اپنے چچا باہر اور دولت مند شخص تھا۔ اور لوگوں کو تباہی
 سے گراہ کر رہتا تھا۔ انبیاء کی دعوت کا ہمیشہ سے یہ طریق کار رہا ہے کہ وہ اپنی دعوت کی
 ابتدا اور بااثر لوگوں سے ہی کرتے ہیں تاکہ ان کی اصلاح سے عام کی اصلاح

ہو۔ چنانچہ حضرت ابو اسیمؓ نے سب سے پہلے فرمودہ کو دعوت دی اور حضرت
 موسیٰؑ نے فرعون کو مخاطب کر کے دعوت حق کا آغاز کیا۔ اسی طرح آنحضرتؐ
 نے بھی آغاز دعوت میں ابولہبؓ اور اس کے درجہ کے لوگوں کو مخاطب کیا پھر
 ان کے بعد ان قبائل کو تبلیغ اسلام کے دعوت نامے بھیجے۔

ابولہب کی ہلاکت کا واقعہ یوں ہے کہ اسی نے اپنی جان بچانے کے
 لئے اپنی جگہ ایک شخص عاص بن ہفصام کو خرید کر سرکردہ بدہ میں فرکت کے لئے
 بھیجا۔ مگر ابولہب پھر بھی زندہ نہ بچ سکا۔ اس ہتھکڑے ساتھیوں کے لئے وہ
 چھپکے ہیں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا۔ اس کے دونوں بیٹوں نے چھوٹے کے خوف
 سے اس کی لاش گھر کے ایک کونے میں ہی پڑی رہنے دی حتیٰ کہ اس کا جسم
 مڑ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ لٹکتے تھے۔ بعد میں اس پر پتھر وغیرہ پھینک
 کر وہیں بے بادیا۔ اس طرح نہ اس کا مال اسے موت سے بچا سکا اور نہ ہی
 جو اس سے کہا یعنی اس کے اولاد اس کے کام آسکی۔ بلکہ وہ عبرتناک طور پر
 ہلاک ہوا۔ یہ تو دنیا میں اس کی بربادی کا منظر تھا۔ آخرت میں اسے سبڑکتی
 اند شعلہ مارتی جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

آخری آیات میں ابولہب کی بیوی ام حبیبہ کی ہلاکت کا ذکر ہوا ہے۔ جو اسلام
 دشمنی اور آنحضرتؐ کے ساتھ غناؤں میں اپنے خاوند کے ساتھ ہر اہم شریک تھی۔
 وہ قریش کی معزز عورت ہونے کے باوجود جنگل جا کر خار والہ لکڑیاں اور کانٹے
 چن کر لاتی اور آنحضرتؐ کے ساتھ میں بچا دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام
 یہ بیان کیا کہ اس کے گلے میں رسی کا پھندا پڑنے سے ہاک جو ہانڈے کی چٹا پھنڈا
 ہے پورا ایک روز جیکر وہ حسب معمول لکڑیاں لاری تھی گٹھا سر سے گرا اور کھیر کی
 پھل کی سی جس میں وہ بندھا تھا اس کے گلے میں پھندے کی صورت میں پڑ گئی۔ گٹھا
 کے ذائقے پھندا ہی تھا اور وہ ہاک ہی۔ آخرت میں وہ بھی اپنے خاوند کے ہمراہ جہنم میں

ابو لہب کی اسلام دشمنی انکا بددلت اور اس کی پاکت و تباہی ایک مثال پیش کرتی
تھی اور تمام دشمنان اسلام کی تباہی و بربادی کی نشاندہی کرتی تھی۔ اسی لئے اسے
پرانے ہیروز کے تمام برائیوں سے ان پر تائید پر باوجود اسکا تاثر نہ پاتا گیا۔

۱۰- الْاِخْلَافِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝

آپ کو بتائیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کو جنم دیتا

وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

نہ وہ کسی سے جانا گیا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

مشکل اشیا اللہ کے معانی و تشریح قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝

و اللہ بے اللہ صمد ہے بے نیاز، کسی کا محتاج نہیں، پیرا کسی کا

باپ ہو تا، بیولا ہے۔ جانا گیا کسی کا بیٹا ہو تا، بیٹھکن ہو تا، کُفُوًا

تو مقابل ایسا بڑی کوسلہ و ملا و شریک ہے۔

و ترجمہ اسماء امیر کا ہے کہ اِخْلَافِ کے معنی خالوں اور بے طرزوں میں اسوں سے

میں چونکہ توحیدِ ناقص کا بیان ہے۔ اسی لئے اس کا یہ نام ہوا۔
تیسری نزل تا یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ نصیحت ہے کہ مشرکین مکہ کے حضور
 اکرام گئے کہ انہیں اپنے رب کے اوصاف بیان کرنا۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔
چوتھی نزل تا یہ سورہ میں اللہ تعالیٰ کی توحیدِ ناقص کا ذکر ہے۔ اور
 اسی لئے یہ نام ہے۔ یہاں بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صفت اِنَّهُ لَعِزُّ الرَّحْمٰنِ
 ہے ایک ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا اور متمم ہے۔ وہی
 صرف ہمارا اللہ اس کائنات کا خالق، مالک، رب اور معبود ہے۔ کوئی دوسرا
 ایسا کہ ساتھ شامل نہیں۔ اِنَّهُ لَظَہْرُ الرَّحْمٰنِ کے لئے مخصوص ہے اور
 اسی کو زیب دیتا ہے۔ وَہُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور دوسروں کے لئے بھی
 استعمال ہو سکتا ہے۔

دوسری صفت اِنَّهُ لَکَرِیْمٌ یعنی اللہ کا بے نیاز ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے
 اور اسے کسی چیز کی حاجت و ضرورت نہیں اور نہ ہی اسے کسی کی پوجا ہے بلکہ
 سب اس کے محتاج ہیں اور اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ تیسری صفت
اِنَّهُ لَمَلِکٌ یعنی اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے نہ کوئی مانع
 یا پید ہے۔ وہ خود بخود ہے۔ سب کا خالق ہے اور سب اس کی مخلوق ہیں جو بھی
 صفت دیکھے کہ اِنَّہٗ لَکَرِیْمٌ یعنی برابر ہی دوسری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ نہ اس کا
 کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ساتھی بلکہ وہ خدا ہے اور وہ اِنَّہٗ لَکَرِیْمٌ ہے۔

یہ عقیدہ توحیدِ ناقص اور اسلام کی بنیاد ہے اور اسلام کا سارا نظام زندگی
 اس پر مرتب ہوتا ہے۔ اسے قبول کرنے والا مسلمان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی
 ساری زندگی خدا کے احکام کے تابع ہوتی ہے۔ سادہ اسے یاد کرنے والا کفر ہے۔

میں مبتلا ہوتا ہے۔ عقیدہ توحید کی اہمیت کے پیش نظر ہی حضور اکرم ﷺ نے
اس صورت کو قرآن پاک کا ایک تہائی قرار دیا ہے۔

۱۷۔ الْفَلَقِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲

آپ کہہ دیجئے کہ میں پناہ میں آتا ہوں صبح کے جب کی۔ ہر چیز کی پدید آئی سے یہ اس نے

وَمِنْ شَرِّ عَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ الْمُنْتَسِبِ

پیدا کی۔ اور اندھیرے کی برائی سے جب وہ سمٹ آئے۔ اور ان عورتوں کی برائی

فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

سے جو گرہوں میں پھونکیں ماریں۔ اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

مشکل حالات کے معافی و تشریح : اَعُوْذُ = میں پناہ میں آتا ہوں
الْفَلَقِ = صبح و شمس = برائی : خَلَقَ = اس نے پیدا کی

عاقبت یہ اندھیلا، تاریک و قیب یہ چھا جائے بِرَّالْفَلَقِ یہ پھینکنے
والیوں کا وسیلہ ہے حسد کرنے والوں کا

دوسرے تیسرے اس سورۃ میں جاؤ اور ہر برائی سے تبت اَلْفَلَقِ یعنی
صبح کے رب کی پناہ مانگی گئی ہے۔ اس لئے یہ سورۃ اَلْفَلَقِ کو نام سے پکارا جاتا ہے

یہ سورۃ اور اس سے اگلی سورۃ الناس وین میں نازل ہوئی۔

سبب نزل: عرب میں جاؤ کا بہت بدنام تھا۔ خصوصاً یہودی عورتیں

عام طور پر جاؤ کیا کرتی تھیں۔ وہ دھاگوں کے گندے بنائیں ان کی گروہوں

میں چھونکیں مار کر جاؤ کر تھیں اور بہت سی خرابیاں پیدا کر دیتی تھیں۔ روایت

ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت مسحت بیمار ہو گئے۔ اور کہا گیا کہ آپ پر کسی

سورۃ جاؤ کرو یا ہے۔ چنانچہ اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔

تشریح آیات: انسان دنیا میں طرح طرح کی مشکلات و مصائب میں گھرا ہوا

ہے اور اسے کئی قسم کے خطرات کا سامنا رہتا ہے۔ اس لئے اسے اس سورۃ

اور اس سے اگلی سورۃ الناس میں اپنی برائیوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ

کی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس لئے ان دونوں سورتوں کو معوذتہ

کہتے ہیں۔

اس سورۃ میں چار چیزوں سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ جو صبح

کو پھینکے والا اور تمام عالم سے تاریکی دور کیے والی اور اجلا پھیلنے والا

ہے۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ پھر یا برائی اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش

کے لئے پیدا کی ہے۔ دوسرے اندھیرے یا تاریکیوں میں کی جانے والی برائی

مثلاً چوری، ڈاکو، لوط مارا اور بدکاری جو گناہ اکثر رات کی تاریکی میں سرزد ہوتے

ہیں۔ تیسرے جاؤ سے خصوصاً جو عورتیں گروہوں میں چھونکیں مار کر کرتی ہیں اور

ہم جو تھے حاسد کا شریک کیونکہ حاسد ہم سے کو کھلتا ہے تو دیکھ کر اسے نقصان
 پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور ہم نے اسے کبھی نقصان اٹھانا ہے۔
 یہ چارہ برائیاں ایسی ہیں کہ انسانیت کو ختم کر دینے والی ہیں۔ لہذا
 مسلمان کو ان سے بچنا چاہیے اور بے لگائی کی پناہ مانگنی چاہیے۔

۱۸۔ النَّاسِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے ہو بڑا شہوان تھا پتہ ہم کو ہے والا ہے

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ

آپ کہہ دیجئے کہ میں پناہ میں ہوں لوگوں کے سب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔

النَّاسِ

لوگوں کے معبود کی ہر اس کی برائی سے جو دوسرے ڈالے اور چھپ چھپے۔

لَيُّسُوْسٌ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ

لوگوں کے دلوں میں ہے۔ وہ جنوں میں سے ہے یا انسانوں میں سے۔

مشکل الفاظ کے معنی و تشریح | النَّاسِ | انسان ، لوگ |

مَلَائِكَةٍ | بادشاہ | اللہ | معبود | الْوَسْوَسِ

سے | افسانہ والا | الْجَنَّتِمْ | پیچھے ہٹ جانے والا |

صَدَاؤِمْ | سانس | دَلِ | الْجَنَّةِ | جنات ، آگ کی مخلوق |

پوشیدہ رہتی ہے

ترجمہ تفسیر | اس سورت میں مختلف برائیوں سے انسانوں کو

سب کی پند کیا ہے ، مانگی گئی ہے ۔ لہذا اس کا نام سورۃ الناس ہے ۔

سبب نزول | یہ سورۃ بھی مدینہ میں سورۃ الفلق کے ساتھ نازل ہوئی اور اس

کا سبب نزول بھی وہی ہے جو سورۃ الفلق کا ہے ۔

تشریح آیات | اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان کی گئی

تھیں : برائیوں سے اس کی پناہ طلب کی گئی ہے ۔ وہ صفات یہ ہیں ۔ ایک

تھیں : انسان یعنی انسانوں کا رب ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی نوع انسان

کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا اور ترقی و کمال کے مدارج کا کھینچنے والا

ہے ۔ دوسری صفت مَلَائِكَةٍ النَّاسِ یعنی انسانوں کا بادشاہ ہے ۔ اللہ

تعالیٰ کا نام ہی نوع انسان کا مالک ہے ۔ اللہ کریم ہے ۔ ہم سب اس کی عبادت

ہیں ۔ چنانچہ ہر شے اسی کی ہے اور وہی ہمارا مالک و بادشاہ ہے ۔ تیسری

صفت اَلِ الْوَسْوَسِ یعنی انسانوں کا معبود ہے ۔ اللہ تعالیٰ حقیقہ سب انسانوں

کا معبود ہے ۔ اللہ تعالیٰ حقیقہ سب انسانوں کا رب اور مالک ہے تو پھر وہی

سبب کا معبود بھی ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ بھی وہی ہے ۔

ان تین اہم صفات کے بعد سورۃ کی پناہ ہر اس برائی کی لئے ہے

جس کی سبب جو لوگوں کے دلوں میں ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ

ہے اور پرکاتا اور پھیلاتا ہے۔ پھر وہ کھل کر ساتھ نہیں آتا بلکہ چھپ کر
 چلے کرتا ہے۔ دوسری اور غیر خواہی کے پھروں میں انسان کا دین و ایمان ٹوٹ
 لیتا ہے۔ پھر ایسا شیطان جنات میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور انسانوں میں
 بھی۔ اس لئے ہر مسلمان کو ایسے شیطان سے رب تعالیٰ کی پناہ طلب کرانی چاہیے

—————

امتحان سوالات

ایمان اور کفر

۱۔ ایمان سے کیا مراد ہے؟ اجزاء کے ایمان کون کون سے ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

۲۔ ایمان اور کفر کا فرق بتائیے اور انسانی زندگی پر دونوں کے اثرات بیان کیجئے۔

ارکان اسلام

۱۔ ارکان اسلام میں شہادت توحید و رسالت کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں نماز کی ضرورت و اہمیت پر مضمون تحریر کیجئے۔

۲۔ نماز کے اوقات، رکعتیں اور پڑھنے کا طریق لکھئے۔

۳۔ نماز کے فرائض اور واجبات قلمبند کیجئے۔

۴۔ اسلام میں روزے کو کیا مقام حاصل ہے؟ روزے کے فوائد لکھئے۔

۵۔ زکوٰۃ اور خیرات میں کیا فرق ہے؟ اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت بیان کیجئے۔

۶۔ زکوٰۃ کا نصاب، مخرج اور اس کے مصارف بیان کیجئے۔

۷۔ حج کن فیوض و برکات کا حامل ہے؟ حج کی اہمیت بیان کیجئے۔

۸۔ حج کے مناسک اور اس کا طریق ادائیگی قلمبند کیجئے۔

اخلاق اسلامی

۱۔ اسلامی اخلاق کا مفہوم، اہمیت اور خصوصیات قلمبند کیجئے۔

- ۲۔ اخلاق اسلامی میں "تقویٰ" کی اہمیت پر پختہ تحریر کیجئے۔
- ۳۔ ہماری عملی زندگی میں "صدق" کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ دلائل دیجئے۔
- ۴۔ مشرقی و سنت کی روشنی میں امانت کی ضرورت و اہمیت بیان کیجئے۔
- ۵۔ "صبر" سے کیا مراد ہے؟ صبر کی اہمیت کے حوالے سے لکھیے۔
- ۶۔ "تحمل" کے معنی ہیں؟ قرآن و احادیث کی روشنی میں تحمل کی اہمیت لکھیے۔
- ۷۔ "عفو" کا مفہوم بیان کیجئے اور اس کی ضرورت و اہمیت واضح کیجئے۔
- ۸۔ "عدل" کی اہمیت و افادیت پر سیر حاصل تبصرہ کیجئے۔
- ۹۔ "احسان" کا کیا مفہوم ہے اور اسے اسلام میں کیا اہمیت حاصل ہے؟ وضاحت کیجئے۔

۱۰۔ "عزیمتِ خلقی" کی ضرورت و اہمیت پر ایک سزدرہ پر دو قلم کیجئے۔

اسلامی آداب معاشرت

- ۱۔ قرآن و احادیث کی روشنی میں "سلام" کی ضرورت و اہمیت بیان کیجئے۔
 - ۲۔ اسلامی آداب گفتگو احاطہ تحریر میں لائیے۔
 - ۳۔ قرآن و سنت کی روشنی میں کھانے پینے کے آداب لکھیے۔
 - ۴۔ اسلام نے لباس کے بارے میں جو احکام دیئے ہیں انہیں تحریر میں لائیے۔
 - ۵۔ آداب مجلس کے بارے میں اسلام نے کیا ہدایات دی ہیں؟ وضاحت کیجئے۔
- ### حقوق و فرائض

- ۱۔ قرآن و سنت کی روشنی میں والدین اور اولاد کے باہمی حقوق و فرائض کا بیان لکھیے۔
- ۲۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حقوق اقارب قلمبند کیجئے۔
- ۳۔ اسلام میں ہمسایہ کو کیا مقام حاصل ہے؟ ہمسایہ کے حقوق تحریر کیجئے۔
- ۴۔ قرآن و احادیث کی روشنی میں استاد اور شاگرد کے باہمی حقوق و فرائض

۵۔ علام کے نقطہ نظر سے شہری کے حقوق و فرائض بیان کیجئے۔

المقران (ربیع آخر)

۱۔ مندرجہ ذیل سورتوں کا امداد ترجمہ کیجئے اور مختصر تفسیر تحریر کیجئے۔
القدر۔ الفیل۔ قریش۔ الکافرون۔ النصر۔ اللہب۔ الفلق۔ الناس

۲۔ مندرجہ ذیل سورتوں کے معنایں کا خلاصہ تحریر کیجئے۔
البنیۃ۔ الزلزال۔ العنکبوت۔ القدرۃ۔ التکوین۔ المؤمنون۔ الماعون

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کا مفہوم وضاحت سے لکھیے۔
ویل۔ الماعون۔ رحلۃ۔ الصمد۔ الناس۔ غاسق۔ ہنزہ۔
أفواجاً کفوا۔ التفتت۔ مؤصدۃ۔ لہزۃ۔ الحصر۔ مالک
الابتور۔ سبیل۔ ساہون۔ الحطمتو۔

۴۔ مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک سورۃ مع ترجمہ مختصراً لکھیے۔
العنصر۔ الکوتر۔ الإخلاص۔

۵۔ معنی "ذنین" سے قرآن پاک کی کونسی سورتیں مراد ہیں، ان میں کیا تعلیمات دی ہیں؟

۱۔ نیکۃ القلید کی فیوض و برکات پر مضمون تحریر کیجئے۔

۷۔ سورۃ الزلزال یا سورۃ العنکبوت یا سورۃ القدرۃ کی روشنی میں قیامت کا منظر تحریر کریں

۸۔ سورۃ التکوین یا سورۃ المؤمنین یا سورۃ الماعون کی روشنی میں دولت سمیٹنے کی نکتہ بیان کیجئے۔

ان نوعیت کی منفرد کتاب

دینی

کتاب



محمد علی صاحب